أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ

الشوریٰ ۱۳

اقامتِ دین

فرضیت اور طریقہ کار ... چند مباحث

اُویس پاشا قرنی

انجمن خدامُ القرآن سندھ (قرآن اکیڈمی) کراچی

أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ (الشوریٰ ۱۳)

اقامتِ دین

فرضیت اور طریقہ کار ... چند مباحث

اُویس پاشا قرنی

انجمن خدام القرآن سندھ (قرآن اکیڈمی) کراچی

نام کتابچہ	:	اقامتِ دین فرضیت اور طریقہ کار...... چند مباحث
مؤلف	:	اویس پاشا قرنی
طبع اول	:	شوال المکرم ۱۴۳۲ھ، اگست 2011ء
طبع دوم	:	جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ مطابق اپریل 2013ء
زیر اہتمام	:	مرکز تعلیم و تحقیق، قرآن اکیڈمی یٰسین آباد، کراچی
ناشر	:	مدیر شعبۂ مطبوعات، انجمن خدام القرآن سندھ کراچی
مطبع	:	القادر پرنٹنگ پریس کراچی: 021-32773652
تعداد	:	1100
ہدیہ	:	60 روپے

قرآن اکیڈمی یٰسین آباد

شارع قرآن اکیڈمی، بلاک 9، فیڈرل بی ایریا، کراچی فون: 021-36806561-36337361
فیکس: 021-36337346 ای میل: publications@quranacademy.com

انجمن خدام القرآن
سندھ کراچی رجسٹرڈ

B-375، پہلی منزل، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ روڈ، بلاک 6، گلشن اقبال، کراچی۔
فون: 021-34993436-7 ای میل: headoffice@QuranAcademy.com
ویب سائٹ: www.QuranAcademy.com

بسم الله الرحمن الرحيم

ترتیب

عرض مؤلف 01

پیش لفظ ..... حافظ عاطف وحید ﷾ 03

پہلا مقالہ: فرضیتِ اقامت دین 06

دوسرا مقالہ: غلبۂ اسلام کا طریقہ کار 30

عرض مؤلف

زیرِ نظر کتابچہ راقم کے دو مضامین پر مشتمل ہے۔ پہلا مضمون یعنی ''فرضیتِ اقامتِ دین'' تنظیم اسلامی کے ترجمان ماہنامہ میثاق لاہور کی اشاعت بابت جنوری 2010ء میں شائع ہوا اور دوسرا مضمون مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے شعبۂ تحقیق اسلامی کے ترجمان سہ ماہی حکمتِ قرآن لاہور بابت جنوری 2009ء کی اشاعت میں شائع ہوا۔ گویا زمانی ترتیب کے اعتبار سے ان مضامین کی ترتیب عکسی ہے۔ یہ مضامین راقم کی ابتدائی علمی تحقیقی کاوش ہیں۔ قرآن اکیڈمی لاہور سے رجوع الی القرآن کورس پارٹ II کی تکمیل کے بعد اولاً جس موضوع پر اساتذہ کی رہنمائی میں کام کا آغاز کیا وہ یہی ''غلبۂ دین کا طریق کار اشکال اور جائزہ'' کے عنوان سے شائع ہونے والا مضمون ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس مضمون کی تکمیل استاذِ محترم ڈاکٹر حافظ محمد زبیر صاحب حفظہ اللہ کی مرہونِ منت ہے اگر اُن کی رہنمائی اور مسلسل ہمت افزائی شاملِ حال نہ ہوتی تو شاید راقم تحقیق وتصنیف کی راہوں سے آشنا ہی نہ ہوتا۔ ڈاکٹر حافظ محمد زبیر صاحب کا یہ خاصہ ہے کہ وہ اپنے طلبہ میں تحقیقی مزاج پیدا کرتے ہیں اور حوصلہ افزائی اور رہنمائی کے تمام اسالیب کام میں لاتے ہیں۔ اصول فقہ میں ثانوی مصادرِ شریعت پر ڈاکٹر حافظ زبیر صاحب نے ہمیں پارٹ II کے دوران چند لیکچرز دیئے تھے۔ جن کا بنیادی نکتہ یہی تھا کہ غلبۂ دین کے طریقۂ کار اور احکامات کی تنفیذ کے لئے فقہ الواقع کا ادراک بہت ضروری ہے اور مصادرِ شریعت میں سے ثانوی مصادر جیسے سد ذرائع، مصالح مرسلہ، عرف، استحسان وغیرہ کا فقہاء کے ہاں اکثر استعمال تنفیذ وانطباقِ احکام ہی میں کیا جاتا ہے۔ مزید یہ کہ آج غلبۂ دین کے منہج کے تعین میں ان کی رعایت بہت ضروری ہے۔ اس لیکچر سیریز کا حاصل یہ تھا کہ ذہن میں ایک مضمون کا خاکہ بننا شروع ہو گیا اور محترم حافظ صاحب کی رہنمائی میں اسے مکمل کیا گیا۔ الحمدللہ

زمانی اعتبار سے دوسرا مضمون جو اس کتابچے کی ترتیب میں مقدم رکھا گیا ہے— اپنی معنوی تقدیم کی بنا پر— وہ اصلاً استاذِ گرامی مولانا نذیر احمد ہاشمی مدظلہ العالی کے فیضِ تعلیم کا حاصل ہے۔ اس مضمون کا موضوع چونکہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے خالص فقہی اور اصولی تھا اس لئے راقم نے استاذِ محترم سے گزارش کی کہ وہ اسے ایک نظر دیکھ لیں اور اغلاط کی تصحیح فرمادیں۔ میں حضرت کا انتہائی مشکور ہوں کہ اُنہوں نے کمالِ شفقت کے ساتھ اس مضمون کو حرفاً حرفاً پڑھا اور ضروری تصحیح و اصلاح فرمائی۔

میرے مشفق اور مربی جناب حافظ عاطف وحید صاحب نے اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود اس کتابچے پر پیش لفظ تحریر فرما کر میری حوصلہ افزائی فرمائی ہے، یقیناً میں ان سب کی رہنمائی اور دعاؤں کا محتاج ہوں۔

آخر میں اللہ رب العزت کے حضور دعا گو ہوں کہ وہ اس کتابچے کو وابستگان تحریکاتِ اسلامیہ کے لئے مفید بنائے اور راقم، اُس کے والدین اور اساتذہ کرام کے لئے اسے صدقہ جاریہ بنا دے آمین۔ فللہ الحمد اولاً و آخراً

اویس پاشا قرنی
مرکز تعلیم و تحقیق
قرآن اکیڈمی یٰسین آباد، کراچی

یکم شوال 1432ھ
بمطابق 31 اگست 2011ء

پیش لفظ

☆حافظ عاطف وحید حفظہ اللہ

دین اسلام کی بنیاد پر اخروی فوز وفلاح کے لیے دو باتیں ضروری ہیں۔ایک یہ ہے کہ آپ کا تصورِ دین صحیح ہو' اور دوسرا اس تصورِ دین پر عمل کرنے کا طریق کار نبوی ہو۔اہل علم کی اصطلاح میں مقدم الذکر کو عقیدہ جبکہ مؤخر الذکر کو منہج کہا جاتا ہے۔اگر کسی شخص کے عقیدے یا تصورِ دین میں کہیں نقص یا کجی ہوگی تو کتاب وسنت کی تعلیمات کی روشنی میں اس کی اخروی نجات کی خواہش ایک خواب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی۔ ہر دور میں علماء وفقہاء، دین اسلام کے خالص تصورات پر پڑنے والے حجابات کو رفع کرنے کی کوششیں کرتے رہے تاکہ خلق خدا کے سامنے دین اسلام کا صحیح تصور ہر دور اور ہر حال میں روز روشن کی طرح عیاں رہے۔

حق پرست اہل علم نے جہاں صحیح تصورِ دین کی حفاظت اور فروغ میں اپنی زندگیاں کھپائیں ہیں' وہیں انہوں نے اسلامی معاشروں میں دین کے نفاذ واجرا کے لیے بھی ہر دور میں اپنی خدمات پیش کیں' اور اپنے زمان ومکان اور حالات ومقتضیات کی روشنی میں عوام الناس کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیا۔

انیسویں اور بیسویں صدی میں مغربی اقوام کے پوری دنیا پر سائنسی اور سیاسی غلبے نے جہاں دوسرے مذاہب اور ملکوں کے حدود واربع کو متاثر کیا، وہیں مسلمان معاشروں پر بھی اپنے افکار ونظریات اور تہذیب وتمدن کے گہرے اثرات مرتب کیے۔سلطنت عثمانیہ کے زوال اور مغربی اقوام کے ہاتھوں اکثر مسلمان ممالک کے سیاسی طور پر مغلوب ہو جانے کے باعث مسلمانوں کی ایک عظیم اکثریت کا کل تصورِ دین بس ذاتی عبادات واصلاحِ نفس تک محدود ہو کر رہ گیا۔اگر کہیں سے معاشرے کی اصلاح کی آواز لگائی گئی تو وہ بھی اکثر وبیشتر اصلاح عقائد

☆ ڈائریکٹر،شعبۂ تحقیق اسلامی،قرآن اکیڈمی لاہور،سربراہ،تھنک ٹینک برائے دینی ومذہبی امور،تنظیم اسلامی پاکستان

ورسوم یا دعوت وتبلیغ کے میدان تک محدود رہیں‘ اور حکومت وریاست‘ قانون‘ معیشت و سیاست کی اصلاح کا تصور دین سے (الا ماشاء اللہ) خارج قرار پایا۔ ایسے میں اللہ تعالیٰ نے علامہ محمد اقبالؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ، مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ اور ڈاکٹر اسرار احمدؒ جیسی شخصیات کا انتخاب فرمایا کہ جنہوں نے دین کے انفرادی واجتماعی تصورات کو خوب اچھی طرح واضح کیا اور دین اسلام کو ایک ایسے مکمل ضابطۂ حیات کی صورت میں متعارف کروایا کہ جس میں زندگی کے ہر چھوٹے بڑے شعبے کے لیے رہنمائی موجود ہے۔

کبھی وقت تھا کہ دین کے اس جامع تصور کو بدعت سے کم درجہ نہیں دیا جا رہا تھا اور مسلمان معاشروں کے مذہبی طبقات اس تصور دین کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھے اور اس پر نقد کر رہے تھے...‘ لیکن آج یہ تصور بفضل اللہ تعالیٰ گاؤں گاؤں اور بستی بستی عام ہو چکا ہے۔ آج ہر خاص وعام کی زبان پر یہ کلمات جاری ہیں کہ دین اسلام صرف مسجد تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کا دائرہ کار اور اختیار و اقتدار پارلیمنٹ اور سپریم کورٹ پر بھی قائم ودائم ہے‘ اور ہونا چاہیے۔ ایسے میں بعض علمی اور تحریکی حلقوں میں اقامتِ دین اور نفاذ شریعت کی جدوجہد کی فرضیت کے بارے میں اس حوالے سے ایک علمی مباحثہ جاری ہوا کہ آیا یہ جدوجہد ’’فرض عین‘‘ ہے یا ’’فرض کفایہ‘‘؟ ایک طبقۂ فکر اسے ’’فرض عین‘‘ قرار دے کر اس بحث کو اُن افقوں کی طرف لے جانے کا متمنی نظر آیا جن کے نظائر فقہائے متقدمین کے ہاں مفقود ہیں‘ جبکہ دوسرے طبقے کا زورِ بیان ’’فرض کفایہ‘‘ کی حمایت میں اس انداز سے پیش ہونے لگا کہ اس فریضہ کی فرضیت ہی داؤ پر لگتی محسوس ہونے لگی۔ برادرم اویس پاشا صاحب نے نہایت ہی خوبصورت اسلوب بیان میں اس قضیئے کا ایسا معتدل حل پیش کیا ہے کہ جس سے انقلابی کارکنان کے لیے کسی فقہی جزیے میں الجھے بغیر نہ صرف اس اہم فریضہ کی نوعیت واضح ہوتی ہے بلکہ ان کے اندر اپنے فرائض کی ادائیگی اور اخروی مسؤلیت کا جذبہ بیدار رہتا ہے۔

متذکرہ بالا مسئلے کا تعلق عملی سے زیادہ علمی میدان سے ہے‘ لیکن فکرمندی کی بات یہ ہے کہ دین کے حرکی تصور کے حاملین کے مابین غلبہ و اقامتِ دین کے منہج وطریق کار کے حوالے سے بھی اختلافات شدت اختیار کر گئے ہیں۔ ملکِ عزیز میں اس وقت دینی جماعتوں کو ہم دو گروہوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک گروہ تو ان دعوتی اور تبلیغی جماعتوں پر مشتمل ہے کہ جن

کے نزدیک اصل مقصود فرد کی اصلاح ہے اور معاشرہ افراد سے بنتا ہے۔ پس جب افراد صالح ہو جائیں گے تو معاشرہ و ریاست خود بخود صالح ہو جائے گی لہٰذا اجتماعیت کی اصلاح کے لیے باقاعدہ کسی جماعت بندی یا جدوجہد کی ضرورت نہیں ہے۔ دوسرا گروہ ان جماعتوں کا ہے جو فرد کے ساتھ ساتھ اجتماعیت کی اصلاح کو بھی دین کا لازمی تقاضا سمجھتے ہیں اور اس کے لیے جدوجہد کو فرض قرار دیتے ہیں۔ ان میں سے بعض جماعتیں اسلامی انقلاب کے لیے عسکری جدوجہد کے ذریعے کامیابی پر یقین رکھتی ہیں تو بعض تبدیلی کے لیے انتخابی سیاست کو منہج کے طور پر اختیار کرتی ہیں۔ یہ دونوں مناہج اپنی اپنی جگہ دلائل رکھنے کے باوجود دو انتہاؤں پر قائم ہیں۔ ان دونوں مناہج کے مابین ایک معتدل منہج احتجاجی یا انقلابی سیاست کے نام سے محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ نے پیش کیا تھا اور تقریباً ۳۸ سال سے تنظیم اسلامی اس منہج کے مطابق دین کے نظام عدل اجتماعی کے قیام کی جماعتی جدوجہد میں مصروف ہے۔ حال ہی میں تنظیم اسلامی کے اس منہج کے بارے کچھ مخلص دوستوں نے مایوسیاں اور غلط فہمیاں پھیلانے کی کوشش کی اور اپنے تئیں عسکری جدوجہد کے بالمقابل اسے ایک فرسودہ منہج ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کی ہے۔ زیر نظر کتابچے میں برادرم اویس پاشا صاحب کا دوسرا مقالہ اس بارے میں عام کیے گئے شکوک وشبہات کے ازالہ کے لیے ایک انتہائی مفید تحریر ہے۔ ہم برادرم اویس پاشا صاحب کے لئے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی جواں قوتوں اور علمی صلاحیتوں میں برکت عطا فرمائے اور انہیں اپنے دین کی خدمت کے لئے منتخب فرمالے! آمین!

فرضیتِ اقامتِ دین

(شائع شدہ ماہنامہ میثاق لاہور بابت جنوری 2010ء)

گزشتہ ایام میں کچھ مخلصین واحباب کی جانب سے اِس بحث کا آغاز کیا گیا کہ آیا اقامت دین کی جدوجہد فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟ بعدازاں اُس بحث کو جو اپنی اصل کے اعتبار سے خالص علمی اور فقہی بحث ہے' بلاوجہ عمومی مسئلہ کی صورت میں خلط مبحث کا شکار کر دیا گیا۔ کچھ افراد اِس بحث سے انتہائی غلط فہمیوں کا شکار ہو گئے اور یہ خلش ان کی تحریکی سرگرمیوں پر بھی اثر انداز ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ یہاں پیش نظر یہ ہے کہ نفس مسئلہ پر غور کیا جائے اور اس غلط فہمی اور خلطِ مبحث کی نشاندہی کی جائے جو مسئلہ کی بنیاد میں کارفرما معلوم ہوتی ہے۔ اِس کے بعد قدرے اختصار کے ساتھ فقہی تناظر میں اقامتِ دین کی فرضیت کے دلائل پر غور کیا جائے اور ساتھ ہی اِن اصطلاحات یعنی فرضِ عین' فرضِ کفایہ وغیرہ کی تعریفات جو اصول کی کتب میں ہیں' کا تعارف کروایا جائے اور اِن کے احکام سے واقفیت بہم پہنچائی جائے۔

یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ دین اسلام اپنی ایک علمیت (Epistemology) رکھتا ہے اور اس کی ایک خاص تاریخ ہے۔ اسلام کی علمیت میں چند چیزیں اصول کی حیثیت رکھتی ہیں اور چند فروع کی۔ اس میں کسی بات کے ثبوت اور عدم ثبوت کی کچھ شرائط ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلامی تاریخ میں عہد رسالت ﷺ میں تو معاملہ بہت سادہ ہے کہ جو مسئلہ درپیش ہوا اس میں براہِ راست رہنمائی وحی کے ذریعہ ہو رہی ہے' اور جہاں وحی خاموش ہے وہاں زبانِ رسالت ﷺ سے صادر ہونے والے کلمات ہدایت ورہنمائی کا آخری ذریعہ ہیں' کسی لمبے چوڑے اجتہاد وقیاس کی ضرورت نہیں۔ جہاں رہنمائی درکار ہوئی' وحی ورسالت اس میں فیصلہ

کن ہدایت فرمانے کے لیے موجود ہیں' لیکن عہد رسالت مآب ﷺ کے بعد عہد صحابہؓ میں کسی شے کے مشروع ہونے کا ثبوت اللہ کا کلام اور نبی اکرم ﷺ کی سنت ٹھہرے۔ دورِ صحابہؓ میں کوئی سوال اگر جواب طلب ہوتا تو اس میں یہ دیکھا جاتا اور معلوم کرنے کی کوشش کی جاتی کہ اِس معاملہ میں رسول اللہ ﷺ کی سنت کیا تھی۔ اگر جواب مل جاتا تو مزید غور وفکر کی ضرورت نہ رہتی' ورنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس بارے میں اجتہاد فرماتے اور کسی رائے تک پہنچنے کی کوشش کرتے۔ اِس طرح بہت سے اُمور پر صحابہ کرامؓ کے درمیان اجماع ہو گیا اور بعد والوں کے لیے بذاتِ خود رہنمائی کا ایک ذریعہ ٹھہرا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ مقام ومرتبہ اِس لیے حاصل ہوا کہ یہ وہ جماعت ہے جس نے سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ سے علم دین حاصل کیا' اسے محفوظ رکھا اور پھر باحفاظت اگلی نسل کو اِس کی تعلیم دی۔

دورِ صحابہ میں بھی علم دین میں یہ سادگی برقرار رہی' مگر جیسے جیسے اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا' نئے نئے علم وتمدن کے مراکز اسلامی سلطنت کے دائرہ میں شامل ہوتے گئے تو ساتھ ہی اسلام کو علمی سطح پر کئی سوالات کے جواب دینا پڑے جس کے لیے اب باقاعدہ علوم کی تدوین ہوئی۔ لوگوں نے علم دین کے حصول اور اس کی ترتیب وتالیف کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیں اور جاننا چاہیے کہ یہ اپنے دور کے بہترین صلاحیتوں کے مالک افراد تھے۔ اِس دور میں باقاعدہ قرآن وسنت سے احکام ومسائل اخذ کرنے کے لیے اصول مرتب ہوئے' علم حدیث کی تدوین ہوئی۔ جو لوگ حدیث رسول ﷺ کے جمع کرنے اور اس میں رطب ویابس کو الگ الگ کرنے میں مشغول ہوئے وہ محدثین عظام رحمہم اللہ کہلائے' ان کا شغل حدیثِ رسول ﷺ کے جمع کرنے اور اس سے متعلق علوم کی تدوین سے رہا۔ ان لوگوں نے بڑی عرق ریزی کے ساتھ راویوں کے حالات' ان کے درمیان مراتب کا تعین' حدیثِ مقبول و غیر مقبول اور ان اقسام کا تعین کیا اور ان کے لیے تفصیلی احکام مرتب فرمائے۔

دوسری جانب وہ فقہائے کرام رحمہم اللہ ہیں جنہوں نے اِن نصوص یعنی قرآن مجید اور حدیث وآثار سے تفصیلی شرعی احکام کا استنباط کیا' نصوص سے احکام ومسائل کے استنباط و استخراج کے اصول مرتب فرمائے' احکام کے درمیان ان کے ثبوت اور ادائیگی کے اعتبار سے

مراتب کا تعین کیا اور ان کے احکام مرتب کیے۔ اِسی کا نام فقہ ہے۔ فقہ اسلامی قرآن وسنت سے ہٹ کر کوئی شے نہیں' بلکہ یہ شریعت کی ان تفصیلات کا نام ہے جو ایک خاص علمی انداز میں مرتب کی گئی ہیں' اور اِن کا مرتب کیا جانا عین دین کا تقاضا اور اسلام کا مطلوب تھا۔ علم فقہ کی اصطلاحی تعریف یہ کی گئی ہے:

العلم بالاحکام الشرعیة العملیة المکتسب من ادلتها التفصیلیة

''فقہ سے مراد شریعت کے ان عملی احکام کا علم ہے جو تفصیلی دلائل سے ماخوذ ہوں۔''

اِس طرح علمِ دین، تدوین کے مراحل سے گزر کر نسلاً بعد نسلٍ تواتر وتعامل اُمت کے ساتھ ہر عہد کے انسان کی رہنمائی کے لیے موجود رہا اور رہے گا ان شاء اللہ۔ یہ وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی حکمتِ تکوینی یا وہ mechanism ہے جس کے ذریعہ دینِ اسلام کی عملیت کا تحفظ ہوا ہے اور ہوتا رہے گا' ان شاء اللہ۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے ان ائمہ دین' فقہاء ومحدثین پر جو اِس ربانی اسکیم کا حصہ بننے کی سعادت سے سرفراز ہوئے۔ آمین!

اِس تمہید طولانی کی ضرورت اِس لیے پیش آئی کہ اگلی گفتگو میں موضوع زیر بحث کی مناسبت سے بنیادی حوالہ کی حیثیت اِسی علم فقہ کو حاصل رہے گی تو کوئی صاحبِ جذب یہ اعتراض نہ کر دیں کہ فقہ تو ''عجمی سازش'' ہے یا یہ کہ اِس کی تدوین تو دورِ ملوکیت میں ہوئی ہے' اِس لیے سرے سے قابل اعتنا ہی نہیں' وغیرہ وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ افراط وتفریط سے محفوظ فرمائے۔

اُمتِ مسلمہ میں گذشتہ صدی کے دوران احیائی تحریکوں کے کام پر نگاہ ڈالی جائے تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ دینِ اسلام کو جب سیاسی طور پر مغلوبیت کا سامنا کرنا پڑا تو اِس دور میں اسلام کو سلطنت وریاست کی سطح پر غلبہ واقتدار کے مقام پر واپس سرفراز کرنے کی خواہش رکھنے والے کئی افراد نے احیاءِ دین کا بیڑا اٹھایا اور اپنے کام کی ناگزیر ضرورت کے طور پر انہیں دین کے تصور کے حوالہ سے ایک جدید تعبیر وتشریح کی ضرورت پڑی۔ اس تعبیر کے فرق کو سمجھنے کے لیے ان حالات کا صحیح ادراک ضروری ہے جو اِس جدید تعبیر کے متقاضی ہوئے۔ گزشتہ ڈیڑھ دو صدی قبل ادیانِ عالم کے درمیان اصل فرق کرنے والی شے اس دین کے مابعد الطبیعیاتی تصورات' اس کے مراسم عبودیت اور اِن کے نتیجہ میں مرتب ہونے والی تہذیبی اقدار ہوا کرتی تھیں' جبکہ دورِ جدید میں اصل بحث نظاموں کی

ٹھہری۔اب نہ مابعد الطبیعیاتی تصورات اور نہ ہی مراسم عبودیت خارج میں موضوع بحث رہے۔ جدید تہذیب کا رشتہ مذہب سے بالکل ہی منقطع ہو گیا' اور کہا جانے لگا کہ اب اصل جنگ نظاموں کی ہے۔ اِس تناظر میں جب احیاءِ دین کے علم بردار افرادِ دعوت وعزیمت نے دین اسلام کی تعبیر وتشریح جدید دَور کے انسانوں کے فہم کے مطابق' رائج الوقت محاورہ میں کی تو اسلام کے جن تصورات کو مرکزی موضوع بنایا وہ اجتماعی گوشوں سے متعلق تھے اور ان کو ایک مربوط نظامِ فکر وعمل کے طور پر پیش کرنے کی بہترین کوشش کی' جس کے زیر اثر کئی جدید اصطلاحات مرتب ہونے والے اسلامی لٹریچر کا حصہ بن گئیں۔ ہماری مراد ''اسلام کا سیاسی نظام' اسلام کا معاشی نظام'' وغیرہ سے ہے۔ اِس جدید لٹریچر میں کئی اور ایسے امتیازی پہلو ہیں جن کا ادراک زمان ومکان کے سیاق وسباق میں ضروری ہے۔ مثلاً قدیم اسلامی لٹریچر میں تمام گفتگو اس بات کو کالمشروط (understood) مان کر کی جارہی ہوتی ہے کہ جن احکامِ اسلام کی جزئیات اور فروعات پر تحقیق کی جارہی ہے ان کا تعلق عملی زندگی سے بہت گہرا ہے اور اِن کے نفاذ کے لیے اسلام کا ریاستی اور سیاسی ڈھانچہ موجود ہے' اسلام کو قوتِ نافذہ حاصل ہے۔

یہ وہ بنیادی مقدمہ ہے جو پورے قدیم اسلامی لٹریچر کے پیچھے کارفرما دیکھا جاسکتا ہے۔ اسی وجہ سے بہت سے ایسے موضوعات ہیں جو اس دور کے لٹریچر میں ہمیں نہیں ملتے۔ ظاہر ہے ایک چیز جو حاصل ہو اس کے حصول کی گفتگو تحصیل حاصل ٹھہرے گی اور یہ ایک کارِعبث ہے جس کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی۔ اِسی لیے اقامت دین یا دین اسلام کے نفاذ کی جدوجہد ہمارے متقدمین کے ہاں سرے سے موضوعِ بحث ہی نہیں۔ وہ تو اس سے اگلے مراحل کے اہم امور سرانجام دینے میں مصروف رہے۔ مثلاً قاضی ابویوسفؒ ''کتاب الخراج'' میں ان امور پر گفتگو فرما رہے ہیں جو ایک اسلامی سلطنت کے معاشی معاملات سے متعلق ہیں۔ امام محمدؒ ''سیر کبیر'' اور ''سیر صغیر'' میں اسلامی سلطنت کے دیگر اقوام سے تعلقات وغیرہ کی نوعیت اور اس کے احکام پر روشنی ڈالتے ہیں اور اپنے وقت کے اہم تقاضے کو پورا کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ''سیر کبیر'' کی تصنیف مکمل ہوئی اور امام محمدؒ نے اسے خلیفہ کی خدمت میں پیش کیا تو حکومت کی جانب سے جشن کا اہتمام کیا گیا۔ اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ علماء کرام اس دور میں اسلامی

ریاست کی علمی ضروریات کو پورا کر رہے ہیں۔ کوئی ''ادب القاضی'' پر کتب تصنیف فرما رہا ہے تو کوئی اسلام کے قانون صلح و جنگ پر ''کتاب المغازی'' کی تفصیلات قلم بند کر رہے ہیں۔ غرض یہ کہ ایک اسلامی ریاست کے قائم ہو جانے کی بعد کی جتنی ضروریات ہیں' وہی ہمارے علماء کرام کا زیادہ تر موضوع رہیں۔ اور یہ ایک فطری' مناسب اور معقول بات ہے کہ جب ریاست قائم ہو تو ان ہی گوشوں پر کام کی ضرورت ہوتی ہے نہ کہ اس کے قیام کی فرضیت یا عدمِ فرضیت پر گفتگو کی۔ یہ وہ نکتہ ہے جسے سمجھنے کی ضرورت ہے اور اِسی تناظر میں اسلاف کے کام سے استفادے کو آگے بڑھانا چاہیے' اور ساتھ ساتھ حالات و واقعات میں جو تبدیلیاں واقع ہو گئی ہیں ان کا احساس کرتے ہوئے آج کے دینی تقاضوں کا ادراک کیا جانا از بس ضروری ہے۔

اِس نکتہ کی تفہیم کے بعد دین کی جدید تعبیر و تشریح کے حوالے سے کوئی اشکال نہیں رہتا کہ یہ وقت کا اہم دینی تقاضا تھا جسے دورِ جدید کے اہل علم نے بحسن و خوبی ادا کیا۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کے سیاسی غلبہ کے خاتمے کے بعد جو لٹریچر تیار ہوا اس میں از سرِ نو ریاست کے قیام کو ایک دینی فریضہ کے طور پر پیش کیا گیا۔ اس کے لیے ایک استدلال بھی بغرضِ تفہیم و تبیین مرتب کیا گیا اور اِس کی پر زور دعوت احیائی تحریکوں نے مسلم معاشروں میں بلند کی۔ اِس استدلال کا انداز قانونی یا فقہی نہ تھا بلکہ قرآن و سنت کے نصوص سے اخلاقی سطح پر دعوتی انداز میں (نہ کہ فتوے و قضا کی زبان میں) مسلم معاشروں میں عوام الناس کو اپیل کیا گیا۔

اس دوران مسلم معاشروں میں دین کی نمائندگی دو مختلف طبقوں میں تقسیم ہو گئی' ایک تو وہ طبقہ تھا جو اِس نئی صورتحال یعنی سیاسی غلبہ کے خاتمہ کا ادراک کر کے تجدید و احیاءِ دین کی کوششوں میں سرگرم ہو گیا اور مسلم معاشروں میں از سرِ نو ایمان و عمل کی دعوت اور اسلام کے دیگر اجتماعی احکام کی بجا آوری کے لیے ریاست کے قیام کو ہدف کے طور پر معین کر کے کام میں مصروف ہو گیا۔ دوسری جانب روایتی قدیم علوم (جو کہ سیاسی غلبے کے تناظر میں مرتب ہوئے تھے) کے حاملین کا ایک طبقہ تشکیل پا گیا جو آج بھی گفتگو فتوے اور قضا کی زبان ہی میں کرتا ہے اور مسلم معاشروں میں جمعہ و جماعت' تعلیم و اصلاح اور فتویٰ و ارشاد کی ذمہ داریاں' طاغوت کے سیاسی غلبہ سے عدم تعرض کی پالیسی پر گامزن رہتے ہوئے' ماحول کی ناسازگاری کے باوجود

سنبھالے ہوئے ہے۔ دین کی نمائندگی کرنے والے ان دونوں طبقات کے درمیان بھی ایک مستقل کشاکش جاری ہوگئی۔ اس کی بنیاد یہ بنی کہ احیاء کے علم بردار دوسرے طبقہ پر ان کے کام کے محدود اور غیر متعلق ہونے پر نقد کرتے رہے اور قدیم علوم کے وارثین اِس جدید تعبیر و تشریح سے متفق نہ ہو سکے۔ اِس کی کچھ وجہ تو یہ ہوئی کہ علماء کرام نے احیائی تحریکوں کے لٹریچر میں استعمال کردہ دعوت کی زبان کو قانون اور فتوے کی زبان کے طور پر لیا اور اس پر اپنے فتوے کے ذریعہ گرفت شروع کر دی' ورنہ حقیقتِ دین دونوں کے ہاں ایک ہی ہے' بس تعبیر کا فرق ہے۔ اِسی طرح احیائی تحریکات کی جانب سے بھی ایسی ہی غلطی کی گئی جسے ہم نے آغازِ مضمون میں خلط مبحث سے تعبیر کیا تھا کہ اپنے کام کے دوران دعوت و ترغیب کی زبان میں بات کرتے کرتے قانون و فقہ کی خالص اصطلاحات کا استعمال بھی کر گئے جن کی وجہ سے غلط فہمی پیدا ہوئی۔ یہی صورتحال فرضِ عین و فرضِ کفایہ کی بحث میں' اصل خلط مبحث اور غلط فہمی کی بنیاد ہے۔

یہ بات محتاجِ بیان نہیں کہ ہر علم کی اپنی اصطلاحات ہوتی ہیں' جو اپنے خاص معنی و مفہوم رکھتی ہیں' جن کی اپنی وسعت اور محدودیت ایک لازمی امر ہے۔ اگر یہ توازن بگڑ جائے تو ابلاغ ہی ممکن نہ رہے۔ یہ لسانیات (linguistic) کا ایک اہم مسئلہ ہے جس کا اس کے سوا اور کوئی حل نہیں کہ اصطلاحات کو ان کے سیاق و سباق اور اس فن کی اپنی اصلی تعریف (definition) کے حوالے سے استعمال کیا جائے۔ چنانچہ اگلے صفحات میں ہم فرض عین اور فرض کفایہ کی اصطلاحی تعریف اور ان کے اطلاقات' احکام کا تعارف' فقہاء و اصولیین کی تصریحات کی روشنی میں کروانے کی کوشش کریں گے' تاکہ نفس مسئلہ کے تمام پہلو سامنے آجائیں اور ایک رائے تک پہنچنا آسان ہو جائے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اصول فقہ کی معتبر کتب سے اس بحث کے مقدمات کا ایک مختصر تعارف عام قارئین کے لیے کروایا جائے۔ جاننا چاہیے کہ اصول فقہ کی کتب میں اس موضوع پر ''حکم تکلیفی اور اس کی اقسام'' کے تحت گفتگو ہوتی ہے۔

حکم تکلیفی کی اجمالاً پانچ اقسام ہیں:[1]

(۱) ایجاب (۲) ندب (۳) تحریم (۴) کراہت (۵) اباحت

احناف کے نزدیک ان کی تفصیل اس طرح ہے:

(۱)فرض (۲) واجب (۳)سنت (مؤکدہ غیر مؤکدہ) (۴)مندوب
(۵)حرام (۶)مکروہ تحریمی (۷)مکروہ تنزیہی (۸)خلافِ اولیٰ (۹)مباح

یہ تقسیم احکامِ تکلیفی کے ثبوت اور حکم کے اعتبار سے ہے۔ علاوہ ازیں فقہاء نے کئی اور تقسیمات بھی بیان کی ہیں۔ مثلاً حقوق اللہ اور حقوق العباد وغیرہ۔(۲)

اس تقسیم کی روشنی میں فرض اور واجب کی فنی تعریف ملاحظہ ہوں:

فرض: جس کے کرنے کا لازمی مطالبہ کسی دلیل قطعی سے ثابت ہو۔(۳)

واجب: جس کے کرنے کا لازمی مطالبہ کسی دلیل ظنی سے ثابت ہو۔(۴)

فرض اور واجب کی یہ تقسیم احناف کے نزدیک ہے ورنہ جمہور کے ہاں یہ دونوں الفاظ مترادف کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔

وجوب وفرضیت کے ثبوت کے ذرائع

وجوب و فرضیت کا ثبوت محض فعل امر اصطلاحی پر موقوف نہیں ہے کہ اگر صیغہ امر کی صورت میں مطالبہ ہو تو ان کا ثبوت ہو ورنہ نہیں بلکہ ان کے اصولی ذرائع تین ہیں:

(ا) وہ الفاظ جن کا لغوی مفہوم لزوم ہے جیسے فرض، وجب، اوجب، کتب علیه، قضی.

(ب) وہ الفاظ جو صرفی ونحوی اعتبار سے لزوم کا مفہوم رکھتے ہوں یعنی فعل امر، اسم فعل بمعنی امر، مصدر قائم مقام فعل۔ جیسے ارشاد باری ہے: ﴿فَضَرْبَ الرِّقَابِ﴾ (سورۂ محمد:۴) کہ اِس میں ضرب مصدر ''اِضرِبوا'' فعل امر کا قائم مقام ہے۔

(ج) غیر فعل امر جب کہ فرضیت و وجوب کا تقاضا کرنے والے قرائن موجود ہوں۔ جیسے ﴿وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ﴾ یعنی يُرْضِعْنَ مضارع امر کے معنی میں ہے۔(۵)

واجب کی مختلف تقسیمات

واجب کی اصولی طور پر چار تقسیمات ہیں جن کو اکثر فقہاء نے جاری کیا ہے:

(ا) واجب کی تقسیم وقتِ ادا کے اعتبار سے۔

اس کی مزید دو قسمیں ہیں:

(۱) واجب مطلق (۲) واجب مقید یا مؤقت

(ب) واجب کی تقسیم مکلفین کے اعتبار سے۔

اس کی بھی مزید دو قسمیں ہیں:

(۱) واجب عینی (۲) واجب کفائی

(ج) واجب کی تقسیم مقدار مطلوب کے اعتبار سے۔

اس کی بھی دو قسمیں ہیں:

(۱) واجب محدد (۲) واجب غیر محدد

(د) واجب کی تقسیم تعین کے اعتبار سے۔

اس کی بھی دو قسمیں ہیں:

(۱) واجب معین (۲) واجب مخیّر

اِن تقسیمات کی تفصیل کو نظر انداز کرتے ہوئے ہم موضوع زیرِ بحث سے متعلق تقسیم یعنی ''واجب کی تقسیم مکلفین کے اعتبار سے'' پر اپنی گفتگو آگے بڑھاتے ہیں۔(یہاں پر نوٹ فرما لیں کہ کسی امر کا واجب کفائی ہونا اس کی اہمیت میں کمی نہیں کرتا' جیسا کہ اکثر افراد کو دیکھا گیا ہے کہ استخفافِ حکم کے لیے کہہ دیتے ہیں کہ ''یہ تو فرض کفایہ ہے''، جب کہ فرق فرضیت کا نہیں بلکہ جن افراد سے اس کی ادائیگی مطلوب ہے ان کی نسبت سے ہے۔تفصیل آئندہ صفحات پر ملاحظہ فرمائیں۔)

واجب کی تقسیم مکلفین کے اعتبار سے

(۱) واجب عینی (۲) واجب کفائی

فرضِ عین اور فرضِ کفایہ کی تعریف' علماءِ اصول کی تصریحات کی روشنی میں

☆ الاستاذ الدکتور حسین حامد حسان اپنی تالیف اصول الفقہ میں رقم طراز ہیں:

فالواجب العینی ما کان التکلیف فیه مقصودا به حصول الفعل من فاعل معین کالصوم والصلاة والحج والوفاء بالعقود وإیتاء الزکاة. فهذه الواجبات قد قصد الشارع حصولها من کل فرد من افراد

المكلفين بحيث لا يسقط الواجب عن المكلف الا فعل نفسه ولا يسأل اذا لم يقم بالواجب غيره . وسمى هذا بالواجب المعين لان ذات المكلف وعينه مقصود بالتكليف(٦)

''پس فرضِ عین سے مراد وہ فرض ہے جس میں تکلیف سے کسی معین فاعل سے فعل کی تعمیل مقصود ہو' جیسے روزہ' نماز' حج' عہد کو پورا کیا جانا' زکوٰۃ کا ادا کرنا۔ ان واجبات میں شارع کا مقصود ان کا حصول ہے ہر فرد مکلّف سے اس طرز پر کہ مکلّف سے فرض ساقط نہیں ہوتا مگر صرف اس طور پر کہ وہ خود اس کو ادا کرے اور اس سے سوال نہیں کیا جائے گا دوسروں کے بارے میں جبکہ دوسرے اسے ادا نہ کریں۔ اِس کو فرض عین کا نام دیا گیا ہے' اِس لیے کہ یہاں تکلیف سے مقصود ایک معین فرد سے کام کا کروانا ہے۔''

اور فرض کفایہ کی تعریف دکتور حسین حامد حسان نے یوں کی ہے:

واما الواجب الكفائى فهو ما كان التكليف فيه مقصودا به حصول الفعل دون نظر الى الفاعل' كردّ السلام والجهاد والامر بالمعروف والنهى عن المنكر' والتخصص فى علوم الشرع كالفقه والحديث' والتفسير والاصول او فيما لا بد منه للأمة كالطب والهندسة والزراعة وغيرها. ومنه الواجبات الاجتماعية كاغاثة الملهوف' وسدّ خلّة المحتاج وتعليم الجاهل و علاج المريض وانقاذ الغرقى والحرقى وغير ذلك. فهذه الواجبات يظهر من التكليف بها قصد الشارع الى حصولها فى الامة من اىّ فرد من افراد المكلفين وسمّى هذا الواجب كفائيا ؛ لانه يكفى فى حصول الواجب ان يقوم به بعض المكلفين(٧)

''اور جہاں تک فرضِ کفایہ کا تعلق ہے تو یہ وہ فرض ہے جس میں تکلیف کا مقصد حصولِ فعل ہے' اِس بات سے قطع نظر کہ فاعل کون ہے' جیسے سلام کا جواب دینا' جہاد' امر بالمعروف و نہی عن المنکر' علومِ شرعیہ میں تخصص جیسے فقہ' حدیث' تفسیر' اصول یا ان شعبوں میں مہارت پیدا کرنا جو اُمت کے لیے ناگزیر ہیں' جیسے طب' ریاضی' زراعت وغیرہ' اور اِسی میں سے ہیں وہ اجتماعی فرائض جیسے مظلوم کی فریاد رسی کرنا' ضرورت مند

کی ضرورت پوری کرنا' پانی میں ڈوبنے والے یا آگ میں جلنے والے کو بچانا اور اسی طرح دیگر امور۔ اِن فرائض سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں شارع کا مقصود ان کی ادائیگی ہے افرادِ اُمت میں سے کسی سے بھی' اور اِس فرض کو فرض کفایہ کہتے ہیں' اس لیے کہ فرض کی ادائیگی کے لیے یہ کافی ہے کہ اس کو بعض مکلفین ادا کر دیں۔''

☆فواتح الرحموت شرح مسلّم الثبوت میں فرضِ کفایہ کی تعریف اس طرح درج ہے:

الواجب علی الکفایه: ای الواجب الذی من شانه ان یثاب الآتون به ولا یعاقب التارکون اذا اتی به البعض' وان لم یات به احد یعاقب الکل(۸)

''فرضِ کفایہ یعنی وہ فرض جس کا معاملہ یہ ہے کہ ادا کرنے والے کو ثواب ہوتا ہے اور نہ کرنے والے کی پکڑ نہیں جبکہ کچھ افراد نے اسے ادا کر دیا ہو' اور اگر کسی نے بھی ادا نہ کیا تو سب کی پکڑ ہوگی۔''

فرضِ کفایہ کی مثال دیتے ہوئے صاحبِ فواتح تحریر کرتے ہیں:

فاذا حصل المقصود لا یبقی الواجب واجبا کالجهاد' فانه انما وجب لاعلاء کلمة اللّٰه تعالیٰ' فاذا اتی به البعض حصل الاعلاء وسقط الوجوب(۹)

''پس جب مقصود حاصل ہو جائے تو واجب کا وجوب باقی نہیں رہتا' جیسے فریضۂ جہاد۔ جہاد کی فرضیت تو اللہ کے کلمہ کی سربلندی کے لیے ہے' جب کچھ افراد نے اس کی ادائیگی کر دی اور اللہ کا کلمہ سربلند ہو گیا تو اس صورت میں وجوب بھی ساقط ہو گیا''۔

یہاں مثال ہمارے موضوع ہی سے متعلق لائی گئی ہے۔ بات بہت معقول ہے اور آسانی سے سمجھی جا سکتی ہے کہ فرضِ عین میں اصلاً ہر ہر مکلّف کی شخصی آزمائش مطلوب ہے اور فرضِ کفایہ وہ فرض ہوتا ہے جس میں اصلاً آزمائش گروہِ مکلفین کی مطلوب ہوتی ہے اس طور پر کہ کوئی ایسا فریضہ عائد کیا جاتا ہے جس میں مخلوق کا اجتماعی مفاد ہو۔ اب ظاہر ہے کہ جب وہ مفاد حاصل ہو گیا تو ہر ایک سے اس کی ادائیگی کا مطالبہ تحصیلِ حاصل ہے۔ مثلاً کسی دریا کے کنارے کئی لوگ کھڑے ہیں' معلوم ہوتا ہے کہ ایک بچہ پانی میں ڈوب رہا ہے۔ اب اللہ کا یہ مطالبہ تمام حاضرین کی طرف متوجہ ہے کہ اس کو بچانے کی سعی کریں اور جس میں فن تیراکی کی مہارت جتنی

زیادہ ہے اس سے اسی درجے میں مطالبے کی شدت بھی بڑھ جائے گی۔(اس پہلو پر ہم آئندہ صفحات میں علیحدہ سے گفتگو کریں گے۔) جب حاضرین میں سے ایک ماہر تیراک غوطہ لگا کر ڈوبنے والے کو بچالیتا ہے تو یہ فریضہ سب سے ساقط ہو گیا۔ بچانے والا خصوصی اجر وثواب کا مستحق ٹھہرتا ہے اور صاحب عزیمت شمار ہوتا ہے۔اب اگر کوئی یہ مطالبہ کرے کہ صاحب! خطابِ شرع تو ہر ایک کی جانب متوجہ تھا' لہٰذا ہر شخص فرداً فرداً ڈوبنے والے کو بچائے تو ظاہر ہے کہ یہ مطالبہ نامعقول ہوگا۔ اسی پر قیاس کر لیجئے فریضہ اقامت دین' امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو کہ اقامت دین کے فریضے کے لیے جتنی قوت درکار ہے اگر فراہم ہو جائے تو باقی افراد پر سے فرض ساقط ہو گیا' اور اگر ایسا نہ ہو تو حسبِ استعداد درجہ بہ درجہ گناہ کا دائرہ وسیع ہوتا چلا جائے گا' حتیٰ کہ تمام اُمت کو محیط ہو جائے گا۔

☆ الاستاذ الدکتور وھبہ زحیلی' الوجیز فی اصول الفقہ میں بیان کرتے ہیں:

الواجب العینی: هو ما طلب الشارع فعله من كل مكلف على حدة ولا يجزى قيام مكلف به عن آخر' كالصلاة والزكاة والحج واجتناب المحرمات كالخمر والزنا والميسر والربا' وحكمه : انه يلزم الايتان به من كل مكلف ولا يسقط طلبه بفعل بعض المكلفين دون بعض(10)

''فرضِ عین وہ ہے جس کے کرنے کا شارع نے مطالبہ کیا ہو ہر مکلّف سے علیحدہ علیحدہ اور ایک کے ادا کرنے سے دوسرا بریٔ الذمہ نہ ہو' جیسے نماز' زکوٰۃ' حج کی ادائیگی اور محرمات سے اجتناب جیسے شراب' زنا' جوا اور سود سے بچنا۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا ادا کرنا ہر مکلّف پر لازم ہے' کچھ کے ادا کرنے سے باقی افراد سے فرض ساقط نہیں ہوتا۔''

الواجب الكفائى: هو ما طلب الشارع حصوله من مجموع المكلفين لا من كل فرد على حدة' فاذا قام به البعض سقط الاثم عن الباقين' كتعليم الصناعات المختلفة وبناء المشافى والصلاة على الجنائز وردّ السلام والجهاد والقضاء والافتاء والامر بالمعروف والنهى عن المنكر وانقاذ الغريق واطفاء الحريق وا داء الشهادة(11)

''فرضِ کفایہ وہ فرض ہے جس کی ادائیگی کا مطالبہ شارع نے تمام مکلّفین سے اجتماعی طور پر کیا ہے نہ کہ ہر فرد سے علیحدہ علیحدہ۔ جب اِس کو بعض مکلّفین ادا کر دیں تو باقی پر

سے ادا نہ کرنے کا گناہ ساقط ہو جاتا ہے' جیسے مختلف صنعتوں کی تعلیم' ہسپتالوں کا تعمیر کرنا' نماز جنازہ ادا کرنا' سلام کا جواب دینا، جہاد میں شریک ہونا' قضاء وافتاء کی ذمہ داری ادا کرنا' امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنا' ڈوبنے والے کو بچانا' آگ کا بجھانا اور گواہی دینا۔''

☆ الدکتور سید عبدالکریم زیدان اپنی تالیف الوجیز فی اصول الفقہ میں اِس مسئلہ کو اس طرح واضح کرتے ہیں:

''فرضِ عین جس میں ہر مکلّف سے لازمی مطالبہ ہو' یعنی واجب عینی وہ ہے جس کے حصول کا شارع نے ہر مکلّف سے مطالبہ کیا ہو۔ اِس میں کچھ کا بجالانا اور کچھ کا نہ انجام دینا کافی نہیں' جب تک مکلّف اسے ادا نہیں کرے گا بری نہ ہوگا' کیونکہ اِس میں شارع کا مقصود اُس وقت پورا ہوگا جب ہر مکلّف اِسے بجالائے۔ اسی وجہ سے اِس کے چھوڑنے والے کو گناہ بھی ہوگا اور عذاب بھی' اور مکلّف کی طرف سے کسی اور کا بجالانا بھی اس کے لیے کافی نہیں۔ گویا اس واجب میں جو ملحوظ ہے وہ نفسِ فعل بھی ہے اور نفسِ فاعل بھی۔ اِس کی مثال نماز' روزہ' وعدوں کا پورا کرنا اور ہر حق دار کو اس کا حق دینا ہے۔''(۱۲)

فرضِ کفایہ: جس کا شارع مکلّفین کی ایک جماعت سے مطالبہ کرے ہر فرد سے نہیں' کیونکہ اس واجب میں شارع کا مقصود جماعت سے اِس کا حصول ہے نہ کہ مکلّف کو اِس میں آزمانا ہے۔''(۱۳)

'' کچھ کے ادا کرنے سے باقی سب سے ساقط ہو جائے گا..... کیونکہ بعض کا فعل دوسرے بعض کے فعل کے قائم مقام سمجھا جائے گا۔ اِس اعتبار سے چھوڑنے والا بھی فاعل شمار ہوگا' اور اگر کسی نے بھی اسے انجام نہ دیا تو تمام قادرین فعل گنہگار رہوں گے۔ گویا اِس واجب میں مطالبہ فعل کے کرنے پر منحصر ہے نہ کہ معین فاعل پر۔ جب کہ واجب عینی میں فعل کا حصول ہر مکلّف کی طرف سے ضروری ہوتا ہے۔ عموماً فرض کفایہ کا تعلق مفادِ عامہ کے ساتھ ہوتا ہے۔''(۱۴)

بعض اوقات فرض کفایہ' فرضِ عین کی صورت اختیار کر جاتا ہے

جیسا کہ واضح کیا جا چکا ہے' فرضِ کفایہ اور فرضِ عین میں کوئی جوہری یا بااعتبار فرضیت

کے کوئی فرق نہیں' بلکہ اصل فرق ادائیگی میں واقع ہوتا ہے' یعنی فاعل مکلف کی جہت سے' اور اسی حوالہ سے اِس پر احکام کا ترتب ہوتا ہے۔ اس موضوع کے اطراف وجوانب میں تو کئی دیگر نکات زیر بحث آتے ہیں مگر ہم صرف ان ہی کا تذکرہ کریں گے جن کی تفہیم ہمارے خاص احوال سے متعلق ہے۔

جاننا چاہیے کہ بعض اوقات فرض کفایہ' فرض عین کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔ ان کی کیا صورتیں ممکن ہیں' آیئے ملاحظہ فرمائیں:

الوجوب الكفائي قد يصير واجبا عينيا اذا لم يوجد الا فرد واحدٍ يستطيع القيام به' فاذا تعين فرد للشهادة وتوقف ثبوت الحق على شهادته صار اداء الشهادة واجبا عينيا عليه لان قصد الشارع حصول الواجب وقد توقف هذا الحصول على فعله وكذلك اذا تعين فرد لانقاذ الغريق و اطعام الجائع او علاج المريض(١٦)

''فرضِ کفایہ بعض اوقات فرضِ عین بن جاتا ہے جب ایک شخص کے علاوہ کوئی اور اس کی ادائیگی کی استطاعت نہ رکھتا ہو۔ جیسے اگر ایک شخص کا تعین ہو گیا گواہی دینے کے لیے اور ثبوتِ حق اس کی گواہی پر موقوف ہو تو گواہی دینا اس پر فرض عین ہو جائے گا' اس لیے کہ شارع کا مقصود واجب کا حصول ہے اور یہاں حصولِ واجب موقوف ہے اِس شخص کے فعل پر' اور اسی طرح جب ایک فرد کا تعین ہو جائے ڈوبنے والے کو بچانے پر' بھوکے کو کھانا کھلانے پر یا مریض کے علاج پر (تو ان پر یہ امور فرض عین ٹھہریں گے۔)''

☆ ڈکٹور وھبہ زحیلی اسی بات کو دوسری مثال سے سمجھاتے ہوئے لکھتے ہیں۔

واذا تعيّن فرد لاداء الواجب الكفائي صار واجبا عينيا' فلو شاهد الغريق شخص يحسن السباحة وجب عليه انقاذه ' ولو لم ير الحادثة الا شخص واحد' ودعي للشهادة وجب عليه اداء ها 'ولولم يوجد في البلد الا طبيب واحد تعين الاسعاف والا ستطباب(١٧)

''پس جب تعین ہو جائے ایک فرد کا فرض کفایہ کی ادائیگی کے لیے تو اس پر وہ فرضِ کفایہ فرضِ عین ہو جاتا ہے' جیسے اگر کوئی شخص دریا میں ڈوب رہا ہو اور دیکھنے والوں میں ایسا آدمی موجود ہو جو تیراکی میں مہارت رکھتا ہو تو اس پر لازم ہے کہ ڈوبنے والے کو

بچائے' اور اسی طرح اگر کسی حادثہ کا دیکھنے والا صرف ایک ہی شخص ہو اور اسے گواہی کے لیے بلایا جائے تو اس پر شہادت کا ادا کرنا واجب ہے' اور اسی طرح اگر کسی شہر میں ایک ہی ڈاکٹر پایا جائے تو اس پر مریضوں کی مدد اور علاج کرنا متعین ہو جائے گا۔''

معلوم ہوا کہ وہ فرض جو اپنی اصل کے اعتبار سے تو فرض کفایہ تھا' خارجی احوال کی وجہ سے اس کی نوعیت تبدیل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ آج حکمرانوں پر دین کا قیام فرضِ عین ہے' اس لیے کہ صاحبِ اقتدار ہونے کی وجہ سے اقامتِ دین ان پر فرضِ عین ہو جاتا ہے۔ بنابریں مسئولیت کا دائرہ شعور اور مقدور کی نسبت سے وسیع ہوتا چلا جائے گا۔

یہ تو اصول کا بیان تھا' ایک نظر اطلاقی اور عملی صورتِ واقعہ پر ڈالتے چلیں۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جس زمانے میں فقہ کی یہ کتابیں لکھی گئی تھیں اُس وقت ممالکِ اسلامیہ میں سے کسی جگہ بھی اسلامی قانون منسوخ نہیں ہوا تھا اور نہ ہی حدود شرعیہ معطل ہوئی تھیں' اس لیے انہوں نے صرف ہجومِ عدو (دشمن کا چڑھ دوڑنا) ہی کی حالت کا حکم بیان کیا ہے۔ لیکن جب مسلمانوں کے اپنے وطن میں کفر کا قانون نافذ اور اسلام کا قانون منسوخ اور اختیار ان لوگوں کے ہاتھ میں ہو جو حدود اللہ کی اقامت کو وحشیانہ فعل قرار دیتے ہیں تو معاملہ ہجومِ عدو کی بہ نسبت کئی گنا زیادہ سخت ہو جاتا ہے اور اس صورت میں کوئی شخص جو دین کا کچھ فہم بھی رکھتا ہو' اقامت دین کی سعی کو محض فرضِ کفایہ نہیں کہہ سکتا۔''(۱۸)

فرضِ کفایہ کے ترک کا وبال اور گناہ

☆ استاذ عبدالکریم زیدان اس بارے میں اصول کی کتب میں بکھری ہوئی بحث کا خلاصہ اس طرح پیش کرتے ہیں:

''اگر واجب کفائی ادا نہ ہو تو سب گناہگار ہوں گے' کیونکہ تمام اُمت سے اس کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ پس جو شخص اِس فعل پر قادر ہے اس پر لازم ہے کہ وہ اسے ادا کرے اور جو عاجز ہے اس پر لازم ہے کہ قادر کو اِس پر اُبھارے۔ ادا نہ ہوا تو سب قصوروار ہوں گے' قادر اس لیے کہ اس نے فعل ادا نہیں کیا اور عاجز اس لیے کہ اس نے قادر کو اس فعل کی ترغیب دے کر ابھارا نہیں۔''(۱۹)

☆ حضرت امام شافعیؒ فرض کفایہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

''اگر سب نے اسے ضائع کر دیا تو مجھے اندیشہ ہے کہ گناہ کے دائرے سے کوئی بھی باہر نہ رہ سکے گا۔''(۲۰)

فرضِ کفایہ میں خطابِ شرع کس کی طرف متوجہ ہے؟

اس ذیل میں اصولیین کی مختلف تعبیرات ملتی ہیں، مگر جو رائے نفسِ مسئلہ سے قریب ہے ہم اس کا تذکرہ کرتے ہیں:

ان الخطاب فی الواجب الکفائی یتوجه الی جمیع من تتوا فر فیهم شروط القیام بالواجب ویتمکنون من تحصیله؛ فاذا کان الواجب یتأدی بفعل بعض القادرین علی تحصیله وجب علی الامة ان تضع نظاما لتوزیع مسئولیة اداء الواجب بینهم(۲۱)

''یقیناً خطابِ شرع فرضِ کفایہ میں ان تمام افراد کی جانب متوجہ ہوتا ہے جن میں اس فریضہ کی ادائیگی کی شروط پائی جاتی ہوں اور وہ اس فریضہ کی ادائیگی کی قدرت رکھتے ہوں اور جب واجب اس نوعیت کا ہو جس کی ادائیگی اس کی تحصیل پر قادر بعض لوگوں کے کرنے سے ہو جاتی ہے تو امت پر واجب ہو گا کہ وہ واجب کفایہ کی ادائیگی کی مسئولیت آپس میں تقسیم کرنے کے لیے کوئی نظام وضع کرے۔''

☆ اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے صاحبِ فواتح فرماتے ہیں:

''اگر کسی قرض کے معاملے میں دو کفیل ہوں تو اگر ایک بھی قرض خواہ کا مطالبہ پورا کر دے تو کفالت کی ذمہ داری ادا ہو جائے گی؛ دوسرے سے مطالبہ ساقط ہو جائے گا۔''(۲۲)

جب یہ معلوم ہو گیا کہ دینی فرائض میں سے کچھ ایسے ہیں جن کی ادائیگی کا مطالبہ ہر فرد سے الگ الگ ہے اور کچھ فرائض ایسے ہیں جن کی ادائیگی کا مطالبہ من حیث الکل اُمت سے ہے تو آپ سے آپ اجتماعی فرائض، جن کا تعلق مفادِ عامہ سے ہے، کے لیے نظمِ اجتماعی جسے جدید دور میں حکومت و ریاست سے تعبیر کیا جاتا ہے، کی اہمیت و ضرورت واضح ہوتی ہے۔ دین اسلام کے وہ احکامات جن کی ادائیگی بغیر نظمِ اجتماعی کے ممکن نہیں، ان کے بارے میں فقہ اسلامی کا موقف اس طرح واضح کیا گیا ہے:

''اُمت پر لازم ہے کہ وہ حکومت کی نگرانی کرے' اِسے واجباتِ کفائیہ کی ادائیگی پر آمادہ کرے یا اِس کی ادائیگی کے لیے جو اسباب ضروری ہیں وہ مہیا کرے۔ کیونکہ مفاد عامہ کے حصول کے لیے حکومت اُمت کی نائب ہے اور حکومت فرائض کفایہ کی ذمہ داری کو نبھا سکتی ہے۔(۲۳) اگر حکومت اِس سے قاصر رہی تو پوری اُمت گناہگار ہوگی کہ اس نے حکومت کو ان اسباب کے لیے تیار کیوں نہیں کیا جن سے فرائض کی ادائیگی ہوتی ہے اور حکومت اس لیے گناہگار ہوگی کہ اس نے قادر ہونے کے باوجود فرض کفایہ کو ادا نہ کیا۔''(۲۴)

مسلمانوں کی آبادیوں اور حکومتوں کا شرعی حکم

وہ علاقے جہاں مسلمان کثرت سے آباد ہیں اور ان پر حکمرانی بھی کلمہ گو مسلمان کر رہے ہیں مگر شریعت اسلامیہ نافذ نہیں ہے' یعنی قرآن وسنت کے احکامات کی روشنی میں نظم اجتماعی کام نہیں کر رہا بلکہ حکومتی سطح پر اسلام سے متضاد احکام وقوانین نافذ العمل ہیں' ایسے ممالک کا شرعی حکم کیا ہے؟ ظاہر ہے یہ ایک نئی صورت حال ہے' اسلام کو صدرِ اوّل میں اس سے سابقہ نہیں پڑا' چنانچہ شرعی حکم بھی اس دور میں سادگی سے بیان ہو جایا کرتا تھا' تقسیم صرف دارالکفر اور دارالاسلام کی تھی' آج کا معاملہ اتنا سادہ نہیں ہے۔ اس بحث میں دیگر کئی امور کا لحاظ ضروری ہے ورنہ مقاصدِ شریعت کا بجا طور پر تحفظ نہ ہو سکے گا۔ جب دارالکفر اور دارالاسلام کے شرعی احکامات میں اس قدر پیچیدگی پیدا نہیں ہوئی تھی تو اس وقت ہمارے جلیل القدر ائمہ کی آراء اسی سادگی کی شان لیے ہوئے ہیں جو اُس دور کا تقاضا تھی۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ دارالکفر کی تین شرائط بیان فرماتے ہیں:

(۱) ان تعلوها احكام الكفر

(۲) ذهاب الامان للمسلمين

(۳) ان تكون تلك الدار مجاورة لدار الكفر' بحيث تكون مصدر خطر على المسلمين وسببا فى ذهاب الامن .(۲۵)

(۱) یعنی: اس ملک میں غلبہ وسربلندی کفریہ احکام کو حاصل ہو۔

(۲) مسلمانوں کے لیے امان نہ رہے۔

(۳) اس ملک کی سرحدیں دارالکفر سے ملتی ہوں اس طور سے کہ مسلمانوں کے لیے خطرات اور نقضِ امن کا باعث ہو۔

اس عنوان کے تحت صاحبین رحمہما اللہ کی رائے ملاحظہ ہو:

(۱) **وافتی الامام محمدؒ والامام ابو یوسفؒ، صاحبا ابی حنیفةؒ، بان حکم الدار تابع للا حکام تعلوھا، فان کانت الاحکام التی تعلوھا ھی احکام الاسلام، فھی دارالاسلام وان کانت الاحکام التی تعلوھا ھی احکام کفر، فھی دارالکفر** (٢٦)

> ''اور فتویٰ دیا امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ نے جو شاگرد ہیں امام ابوحنیفہؒ کے اس پر کہ کسی ریاست کا حکم تابع ہوگا ان احکام کے جن کی بالادستی وہاں مانی گئی ہو، پس اگر وہ احکام جو اس ملک میں نافذ ہیں وہ اسلامی احکام ہیں تو وہ ملک دارالاسلام کہلائے گا اور اگر وہاں کفریہ احکامات نافذ ہیں تو وہ دارالکفر کہلائے گا۔''

جو بات ہم قارئین کے لیے واضح کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ آج اگر اس سادہ تعریف ہی کو لیں تو بھی یہ امر واضح ہو کر سامنے آ جاتا ہے کہ اس وقت روئے ارضی پر جتنے بھی ممالک پائے جاتے ہیں اگرچہ وہاں بسنے والوں کی اکثریت مسلمانوں پر مبنی ہے، وہ بھی اِس تعریف کی رو سے دارالاسلام نہیں کہلائے جا سکتے اور یہ بات اتنی سامنے کی ہے کہ اس کے لیے مثالوں یا وضاحت کی حاجت نہیں۔ ہر وہ شخص جو اسلامی شریعت سے واقف ہے اور آج کی دنیا پر نگاہ رکھتا ہے وہ اِس کی گواہی دے گا۔ اس تناظر میں آج مسلمانوں کی فرائض و واجبات کی فہرست میں جس فرض کو ایک خاص اہمیت کا حامل ہونا چاہیے وہ فریضۂ اقامت دین ہے۔ اقامت دین کی جدوجہد مسلمانوں پر اجتماعی طور پر فرض ہے۔ یہ بات ہم کوئی اپنے پاس سے کسی جدید استدلال کی روشنی میں نہیں لکھ رہے بلکہ جلیل القدر ائمہ دین رحمہم اللہ کی تصریحات اس پر سند کا درجہ رکھتی ہیں۔ کچھ اقتباسات بطور نمونہ پیش خدمت ہیں۔

اقامتِ دین کی جدوجہد فرض ہے

☆ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

یجب ان یعرف ان ولایة امر الناس من اعظم واجبات الدین لاقیام

للدین الا بها(۲۷)

''اِس بات کا جاننا ضروری ہے کہ ریاست وحکومت کا قیام دین کے عظیم ترین فرائض میں سے ہے' دین کا قیام اس کے بغیر ممکن ہی نہیں۔''

☆ امام قرطبیؒ اپنی تفسیر میں فرضیت نصب امامت کے بارے میں فرماتے ہیں:

ولا خلاف فی وجوب ذلك بین الامة ولا بین الائمة (۲۸)

''نصبِ امامت کے فرض ہونے میں اُمت اور ائمہ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔''

☆ علامہ ابن خلدونؒ فرماتے ہیں:

ان نصب الامام واجب' فقد عرف وجوبه فی الشرع باجماع الصحابة والتابعین ...... وكذا فی كل عصر من الاعصار' واستقر ذلك اجماعا دالا علی وجوب نصب الامام(۲۹)

''بے شک امام (خلیفہ) کا مقرر کرنا فرض ہے' اِس کا وجوب شریعت سے' صحابہ وتابعین کے اجماع سے ثابت ہوتا ہے......اور اسی طرح ہر زمانے میں ہوتا رہا اور اس بات پر اجماع ہو گیا جو نصبِ امامت کے وجوب پر دلالت کرتا ہے۔''

☆ امام ابن حزمؒ فرضیت امامت کبریٰ پر اجماع نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لم یخالف فی هذا الا فرقة من الخوارج فانهم قالو: لا یلزم الناس فرض الامام انما علیهم ان یتعاطوا الحق بینهم ؛ وهذه فرقة ما نری بقی منهم احد(۳۰)

''نصب امامت کے وجوب پر جو اجماع ہے اس کی کسی نے مخالفت نہیں کی سوائے خوارج میں سے ایک فرقہ کے۔ وہ کہتے ہیں کہ لوگوں پر یہ لازم نہیں کہ وہ امام مقرر کریں' بلکہ ان پر تو اس قدر ذمہ داری ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کے حقوق برابر ادا کریں۔ اور ہمارے خیال میں اس فرقہ میں سے کوئی بھی آج موجود نہیں۔''

(امام ابن حزمؒ نے اپنے دور کے فرقوں کا تذکرہ کیا ہے اور اطمینان کا سانس لیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ فرضیت اقامت دین کے انکاری فتنہ پرور گروہ میں سے کوئی آج باقی نہیں۔ انہیں کیا معلوم تھا کہ آئندہ صدیوں میں مغربی سمت سے سیکولرازم کے نام سے کفر والحاد کا جو سیلاب

عالم اسلام پر آنے والا ہے وہ اس اجماع کے بند میں شگاف ڈالنے کی کوشش کرے گا۔)

آخر میں ہم فرضیت اقامت دین پر امام الہند شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تصریحات نقل کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ آپؒ نے اس مسئلہ میں کافی کلام فرمایا ہے جس میں سے متعلقہ حصہ یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔

آنکه معلوم بالقطع است ازملت محمدیه علی صاحبها الصلوات والتسلیمات که آنحضرت ﷺ چون مبعوث شدند برائی کافه خلق الله با ایشان معامله ها کردند تصرفها نمودند و برائے هر معامله نواب تعین فرمودند و اهتمام عظیم در هر معامله مبذول داشتند چون آن معاملات را استقراء نمائیم واز جزئیات بکلیات واز کلیات به کلی واحد که شامل همه باشد انتقال کنیم جنس اعلیٰ آں "اقامت دین" باشد که متضمن جمیع کلیات ست وتحت وے اجناس دیگر باشند (۳۱)

''یہ بات ملت محمدیہ ﷺ پر غور وفکر کرنے سے قطعیت کے ساتھ معلوم ہوتی ہے کہ آنجناب ﷺ تمام خلق اللہ کے لیے مبعوث ہوئے تھے تو آپ ﷺ نے مخلوق کے ساتھ بہت سے معاملات وتصرفات کیے اور ہر معاملہ کے لیے اپنا نائب مقرر فرمایا اور ہر معاملہ میں اہتمام عظیم فرمایا۔ ان معاملات کا جب ہم احاطہ کرتے ہیں اور جزئیات سے کلیات کی طرف اور پھر کلیات سے ایسے کلیہ واحد کی جانب منتقل ہوتے ہیں جو تمام امور کا احاطہ کیے ہوئے ہے تو وہ جنس اعلیٰ 'اقامت دین'(۳۲) قرار پاتی ہے جو تمام کلیات کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے اور بہت سی دیگر اجناس اس کے تحت آتی ہیں۔''

فریضہ اقامت دین کی عظیم الشان اہمیت کو انتہائی بلیغ انداز میں بیان کرنے کے بعد شاہ صاحبؒ اقامت دین کی واقعاتی ضرورت کو واضح کرتے ہیں:

آنحضرت ﷺ بجهاد و نصب امراء و بعث جیوش و سرایا و قیام آنحضرت ﷺ بقضا درخصومات و نصب قضاة در بلاد اسلام و اقامت حدود و امر بالمعروف و نهی عن المنکر مستغنی از آن ست که به تنبیه احتیاج داشته باشد و چون آنحضرت ﷺ به رفیق اعلیٰ انتقال فرمودند واجب شد اقامت دین بهمان تفصیل که گزشته و

اقامت دین موقوف افتاد برنصب شخصے که اهتمام عظیم فرماید دریں امر. (۳۳)

''آنحضرت ﷺ کا جہاد کو قائم رکھنا اور سرداروں کا مقرر کرنا اور جیوش و سرایا کا روانہ کرنا اور خصومات میں فیصلہ کرنا' بلادِ اسلامیہ میں قاضیوں کا مقرر کرنا' حدود کا قائم کرنا' اچھے کاموں کا حکم دینا اور برے کاموں سے منع کرنا' یہ امور تفصیلی دلائل کے محتاج نہیں ہیں۔ چنانچہ پھر جب آنحضرت ﷺ نے رفیق اعلیٰ کی طرف انتقال کیا تو (آپ ﷺ کی وفات کے بعد) اسی تفصیل مذکورہ کے ساتھ دین کا قائم رکھنا واجب ٹھہرا اور اقامت دین موقوف تھا ایک ایسے شخص کے (خلیفہ) مقرر ہونے پر جو اس معاملہ میں اہتمام عظیم کرے۔''

آگے چل کر شاہ صاحبؒ اقامت دین کے'واجب بالکفایہ ہونے کی تصریح ان الفاظ میں فرماتے ہیں۔ (فرضِ کفایہ کی صحیح تعریف تمام تفاصیل کے ساتھ جو گزشتہ اوراق میں بیان کی گئی ہے'ملحوظ رہے۔)

مسئله واجب بالكفايه است بر مسلمين الى يوم القيامه نصب خليفه مستجمع شروط (۳۴)

''مسئلہ یہ ہے کہ مسلمانوں پر جامع الشرائط خلیفہ کا مقرر کرنا فرضِ کفایہ ہے روزِ قیامت تک''۔

مزید فرماتے ہیں:

خدائے تعالی جهاد و قضاء و احیائے علوم دین و اقامت ارکان اسلام و دفع کفار از خوذه اسلام فرض بالکفایه گر دانید و آں همه بدون نصب امام صورت نگیرد و مقدمه واجب واجب است کبار صحابه بریں وجه تنبیه نموده اند(۳۵)

''خدا تعالیٰ نے جہاد کو'قضاء کو'علومِ دینیہ کے زندہ کرنے کو'ارکانِ اسلام کے قائم کرنے کو'بلادِ اسلامیہ سے کفار کے دفع کرنے کو فرض کفایہ قرار دیا ہے اور تمام اُمور امام (یعنی خلیفہ) کے مقرر کیے بغیر صورت پذیر نہیں ہو سکتے' اور (قاعدہ کلیہ ہے) کہ

فرض کا حصول جس چیز پر موقوف ہو اس کا حصول بھی فرض قرار پائے گا اور اس قاعدہ پر بڑے بڑے صحابہؓ نے اُمت کو متنبہ کر دیا ہے۔''

☆اس وراثتِ علمی کو آگے بڑھاتے ہوئے بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ اپنی مسجع اردو میں فریضہ اقامت دین کی پرزور دعوت ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

''ہر ذی شعور مسلمان کا اولین فرض ہے کہ وہ اللہ کی محبت سے سرشار ہو کر اپنی پوری زندگی اس کی کامل اطاعت میں دے دے (جو لازماً اطاعت رسول ہی کے واسطہ سے ہوگی) اس رویے کا نام عبادتِ رب ہے جو کہ ہر انسان سے اللہ کا پہلا مطالبہ ہے اور جس کی طرف نوع انسانی کو دعوت دینے کے لیے تمام انبیاء ورسل مبعوث ہوئے اور جو از روئے قرآن جنوں اور انسانوں کا عین مقصد تخلیق ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس پر لازم ہے کہ اپنی صحت وقوت' فرصت وفراغت' صلاحیت واستعداد' مال و دولت اور وسائل وذرائع کا زیادہ سے زیادہ حصہ تواصی بالحق اور تواصی بالصبر' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر' احقاقِ حق اور ابطالِ باطل' دعوت الی اللہ اور تبلیغ دین' نصرتِ خدا ورسول ﷺ اور حمایت واقامتِ دین اور شہادت علی الناس اور اظہارِ دین حق علی الدین کلہ کے لیے وقف کر دے اور اس کے لیے محنت ومشقت' انفاق وایثار' ترک واختیار' ابتلاء وآزمائش' صبر ومصابرت' استقامت ومقاومت...... الغرض ہجرت وجہاد فی سبیل اللہ کے جملہ مراحل کے لیے مقدور بھر ہمت وعزیمت کی راہ اختیار کرے۔ یہ تمام فرائض ہر مسلمان پر حسب صلاحیت واستعداد اور مطابق وسعت وقوت عائد ہوتے ہیں[۳۶] اور ان کی انجام دہی میں ہی بندے کی وفاداری کا اصل امتحان ہے''۔[۳۷]

حرفِ آخر

اس مختصر مقالہ میں یہ بات واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ فرضِ کفایہ اور فرضِ عین کی بحث میں اصل خلطِ مبحث کی وجہ کچھ تو یہ بنی کہ دعوت اور فتویٰ کی زبان واصطلاحات کو آپس میں گڈمڈ کر دیا گیا ور کچھ عمیق تر سبب یہ رہا کہ فرضِ کفایہ کی تعریف کی بابت عوام الناس میں غلط فہمی پائی جاتی ہے جس بنا پر وہ سمجھتے ہیں کہ فرضیت کے اعتبار سے فرضِ عین کوئی اہم تر فریضہ ہے اور فرضِ کفایہ کی کوئی اہمیت نہیں۔ اس غلط اندازِ فکر کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ فرضِ کفایہ کی مثال میں

عموماً نماز جنازہ کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو پورے مفہوم کی ادائیگی کے لیے ناکافی ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ ثابت کیا جائے کہ فرضیت کے اعتبار سے فرض کفایہ اور فرض عین میں کوئی جوہری فرق نہیں بلکہ اصل فرق مخاطبین سے واقع ہوتا ہے۔ بعد ازاں سلسلہ کلام کو آگے بڑھاتے ہوئے یہ واضح کیا گیا ہے کہ وہ فرض جو اپنی اصل کے اعتبار سے کفائی ہوتا ہے وہ بعض اوقات فرض عین بن جاتا ہے' ساتھ ہی فقہاء کے کلام کی روشنی میں بتایا گیا ہے کہ فرضِ کفایہ میں خطاب شرع کس کی جانب متوجہ ہوتا ہے اور اس کے ترک میں کس قدر وبال ہے۔

نفس موضوع کی مناسبت سے آج مسلمانوں کی حکومتوں اور آبادیوں کا شرعی حکم نقل کیا گیا جس سے آپ سے آپ فریضہ اقامت دین ثابت ہوتا ہے۔ اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ اسلاف میں سے جلیل القدر ائمہ دین کی تصریحات کی روشنی میں یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ آج بحیثیت مجموعی مسلمانوں کے دینی فرائض میں ایک عظیم الشان فریضہ اقامت دین کی جدوجہد ہے۔

آخر میں احکم الحاکمین کے حضور ہم دست بدعا ہیں کہ وہ اہل اسلام کو اس اہم فریضہ کا شعور عطا فرمائے اور عملاً جدوجہد کے لیے کمر ہمت کسنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین!

حوالہ جات

(۱) ارشاد الفحول 'روضة الناظر 'فواتح الرحموت۔

(۲) نورالانوار بشرح قمر الاقمار ازملاجیونؒ۔

(۳) فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت' ج ۱' ص ۵۸' بحواله اصول فقه' مولانا عبیدالله الاسعدی

(٤) فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت' ج ۱' ص ۵۸ بحواله اصول فقه' مولانا عبیدالله الاسعدی

(٥) بحواله اصول الفقه مولانا عبیدالله الاسعدی' ص ۳۱'۳۲' مجلس نشریاتِ اسلام

(٦) اصول الفقه ،الدکتور حسین حامد حسان' ج ۱' ص ٤٤' دار الصدق اسلام آباد

(۷) اصول الفقه دکتور حسین حامد حسان' دارا لصدق اسلام آباد، ج ۱، ص ٤٤

(۸) فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ج ۱' ص ۵۲' قدیمی کتب خانه' کراچی

(۹) فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ج ۱' ص ۵۲' قدیمی کتب خانه' کراچی

(۱۰) الوجیز فی اصول الفقه' الاستاذ الدکتور وهبه الزحیلی،ص ۱۲۸، قدیمی کتب خانه کراچی

(۱۱) الوجیز فی اصول الفقه' الاستاذ الدکتور وهبه الزحیلی،ص ۱۲۸، قدیمی کتب خانه کراچی

(۱۲) الوجیز فی اصول الفقه، الدکتور سید عبدالکریم زیدان، ص ٤۹، مکتبه رحمانیه لاهور

(۱۳) تیسیرالتحریرج۲' ص ٣٦٣۔٣٦٤۔
(١٤) المسودة ص ٣١۔
(١٥) الوجیزفی اصول الفقه، الدکتور سید عبدالکریم زیدان، ص٤٩۔٥٠'مکتبه رحمانیه لاهور
(١٦) اصول الفقه' الدکتور حسین حامد حسان' ج۱' ص ٤٤۔
(١٧) الوجیز فی اصول الفقه ، الاستاذ الدکتور وهبه الزحیلی'ص ١٢٨۔
(١٨) رسائل و مسائل از مولانا سید ابو الاعلی مودودیؒ 'ج٤' ص ٢١٢۔
(١٩) الوجیزفی اصول الفقه'الدکتور سید عبدالکریم زیدان ،ص ٥٠،مکتبه رحمانیه لاهور
(٢٠) الرساله ' امام شافعیؒ ص ٣٦٦'دارالمصنفین اعظم گڑھ'بھارت
(٢١) اصول الفقه الاستاذ حسین حامدحسان' ج۱' ص ٤٥۔
(٢٢) فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت'ج۱' ص ٥٣۔
(٢٣) یہاں حکومت سے مراد اسلامی ریاست یا امارت شرعیہ ہے'اندریں معنی اگر حکومت ہی نہ ہوتو حکومت کے قیام کی جدوجہد فرض کفایہ ہوگی۔مالایتم الواجب الا به فهو واجب ۔اس بات کا استدلال آئندہ صفحات میں ملاحظہ کیجیے۔(قرنی)
(٢٤) الوجیز فی اصول الفقه، سید عبدالکریم زیدان 'ص ٥٠۔
(٢٥) بدائع الصنائع للکاسانیؒ جز اوّل۔
(٢٦) بدائع الصنائع للکاسانیؒ جز اوّل۔
(٢٧) السیاسة الشرعیه لامام ابن تیمیةؒ' ص ١٣٨۔
(٢٨) احکام القرآن للقرطبیؒ' ج۱' ص ٢٥١۔
(٢٩) مقدمه ابن خلدون' ص١٩١
(٣٠) الملل و النحل لابن حزم'ج٤' ص ٨٧۔
(٣١) ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء۔ از امام الهند شاه ولی الله محدث دهلویؒ جلد اول' فصل اول تعریف خلافت عامه
(٣٢) ضمناً عرض ہے کہ بعض تجدد کے حامل افراد کارکنان تحریکات اسلامیہ کو یہ غلط اور خلاف حقیقت تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ "اقامت دین" کی اصطلاح ہی جدید فکر کی پیداوار ہے اور بقول وحیدالدین خان صاحب (بھارت والے) "ذہن کی اپج" ہے۔جبکہ شاہ صاحبؒ جن کا سن وفات ١١٧٦ھ ہے' اس اصطلاح کو بڑی وضاحت کے ساتھ استعمال فرماتے ہیں ۔مزید برآں تفسیر جلالین میں ﴿كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ﴾ (النساء) کی تفسیر عاجزین عن اقامة الدین سے کی گئی ہے'اس کے علاوہ بھی کئی حوالے قدیم اسلامی لٹریچر سے فراہم کیے جاسکتے ہیں۔(قرنی)

(۳۳) ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء ۔ از امام الھند شاہ ولی اللہ محدث دھلوی جلد اول فصل اول تعریف خلافت عامہ

(۳٤) ایضاً۔ (۳۵) ایضًا۔

(۳٦) ''حسب صلاحیت واستعداداور وسعت وقوت'' کے الفاظ اسی حقیقت کا اظہار ہے جسے قدیم فقہاء فرضِ کفایہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ محترم ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دعوت کے پیرایہ بیان میں فقہی نزاکت کو بڑی عمدگی سے نبھایا ہے۔ (قرنی)

(۳۷) تعارف تنظیم اسلامی' از ڈاکٹر اسرار احمد' ص ۷۹۔

☆☆☆

غلبۂ اسلام کا طریقہ کار

چند اشکالات اور اُن کا جائزہ

(شائع شدہ سہ ماہی حکمتِ قرآن لاہور بابت جنوری 2009ء

اور ماہنامہ الشریعۃ گوجرانوالہ بابت ستمبر 2011ء)

''اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو اپنی اصل کے اعتبار سے غلبہ چاہتا ہے''۔ ماجرا کچھ یوں ہے کہ یہ فقرہ آج ایک خاص تصورِ دین کا عکاس ہے۔ اِس عبارت کو سمجھنے کے لیے گزشتہ صدی کے فکری رجحانات اور ان کے اظہار کے لیے وضع کردہ خاص محاورے اور اصطلاحات کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔ نسل انسانی کے اجتماعی شعور نے جب اپنے گزشتہ مشاہدات و تجربات کی روشنی میں اپنی اجتماعیت کو ایک مربوط نظام کی شکل دینے کی کوشش کی اور اِس کی پشت پر افراط و تفریط پر مبنی خالص مادی نقطۂ نظر سے مختلف فکری استدلال بھی قائم کیے تو بالکل فطری تقاضے کے طور پر مسلمان اہل علم نے دین اسلام کی ''تعبیر'' وقت کے محاورے اور اصطلاح کو سامنے رکھتے ہوئے کی۔ یہ اِسی کا مظہر ہے کہ آج ہم اپنی روزمرہ کی زبان میں اِس جیسے کئی جملے استعمال کرتے ہیں کہ ''اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے' اسلام کا معاشرتی نظام' سماجی نظام' معاشی نظام' سیاسی نظام وغیرہ''۔ اِس تعبیر کے ساتھ جو ایک خاص جذبہ کارفرما تھا اُسے خود شعوری یا احساسِ بیداری کہا جا سکتا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں میں یہ احساس عام ہوا کہ نظاموں کی اس کشاکش کے درمیان' جبکہ ہر قوم اپنے افراط و تفریط پر مبنی مادی' خدا بے زار نظامِ حیات کو دوسروں پر مسلط کرنا چاہتی ہے' ہم بھی ایک نظامِ حیات کے دعوے دار ہیں' جس کی ترتیب و تدوین وحی و رسالت کے ہاتھوں ہوئی ہے اور اِسی پر عمل پیرا ہو کر ہم نے اِس دنیا پر کئی

صدیوں تک حکومت کی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اِسی فکری و نظری لہر کے نتیجے میں تمام بلادِ اسلامیہ میں مختلف تحریکات غلبہ و اقامت دین یا اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کی آرزو کے ساتھ میدانِ عمل میں اُترتی ہیں۔ یہی وہ موقع ہے کہ جب اُمت مسلمہ کے فکری قائدین نے اِس قافلہ کو بھولا ہوا سبق یاد دلایا اور اس طرح احیاءِ اسلام کا عمل جاری ہوا۔

ان احیائی تحریکوں میں ایک نئے عنصر کا ظہور ماضی قریب میں ہوا ہے۔ غلبہ و اقامت دین کے لیے کام کرنے والی ان تحریکات پر قریب قریب ایک صدی مکمل ہونے کو ہے مگر واقعاتی دنیا میں کوئی قابل ذکر تبدیلی رونما نہیں ہوئی' یعنی جو نتائج مطلوب تھے وہ حاصل نہیں ہوئے' اِلا یہ کہ کچھ صالحین مسلم معاشروں میں سے ان تحریکات کے عنوان سے مجتمع ہو گئے۔ ان نتائج کے سامنے آنے پر ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ہم اپنے کام پر ناقدانہ نگاہ ڈالتے اور خامیوں' کوتاہیوں کا ازالہ کرتے ہوئے مستقبل کے لیے خود احتسابی کے ساتھ پرجوش انداز میں سرگرم عمل رہتے۔ مگر بدقسمتی سے انسان جلد باز واقع ہوا ہے۔ نیا منظر نامہ یوں مرتب ہوا کہ ان تحریکات کے کچھ پرجوش اور سرگرم عناصر اپنے گزشتہ سوچے سمجھے' معتدل اور محتاط طریقہ کار کے بارے میں نا امیدی اور شکوک و شبہات کا شکار ہو گئے' جیسا کہ فکری خلا کا کوئی وجود نہیں اور انسان کسی صحیح یا غلط استدلال کے اختیار کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ چنانچہ ان عناصر نے جلد بازی میں ایک نئی راہ اختیار کی جو کہ ہمہ گیر اسلامی تحریک کو نقصان پہنچانے کا باعث بن رہی ہے۔ اس ہنگامی صورت حال سے قبل عالمِ اسلام میں احیائی عمل کی ترتیب کچھ یوں تھی کہ پہلے دعوتِ ایمانِ حقیقی' تزکیۂ نفوس' تعلیم کتاب و حکمت' تربیت و تنظیم' پھر جہاد و قتال۔ جبکہ اس جدید استدلال میں بات تکفیر سے شروع ہوتی ہے اور مجہول الہدف' بے نتیجہ قتال کے گرد گھومتی رہتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس بے اصل استدلال کو شرعی نصوص سے بھی ثابت کرنے کی کوشش کی گئی۔ ان صفحات میں ہمارے پیش نظر اسی اشکال کا جائزہ لینا ہے۔

اِس امر میں تو مسلمانوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں کہ چاہے معاملات ہوں یا عبادات' معاشرت ہو یا سیاست و ریاست' عملی رہنمائی کا اصل ماخذ قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت و سیرت ہے۔ جس طرح یہ اصول دیگر دینی تعلیمات کے لیے صحیح ہے اِسی طرح غلبہ و اقامت دین یا نصب امامت و خلافت کے طریقہ کار'

لائحہ عمل اور منہج انقلاب کے اخذ کرنے کا اولین واہم ترین ذریعہ بھی سیرتِ رسول ﷺ ہے۔ (اس فرق کے ساتھ کہ عبادات یعنی تعبدی اُمور میں اصل ''حرمت'' ہے یہاں تک کہ اُس کی حلت ثابت ہو جائے اور معاملات میں اصل ''اباحت'' ہے یہاں تک کہ اُس کی حرمت ثابت ہو جائے۔) معلوم یہ ہوا کہ مصدر و ماخذ سے متعلق کوئی اختلاف نہیں' بلکہ یہ جو تنوع ہم تحریکوں کے طریقہ کار میں پاتے ہیں یہ اصلاً اُس کے فہم اور تعبیر و تشریح میں نقطۂ نظر کی صحت وضعف کا ہے۔ واضح رہے کہ جب ہم کسی فعل کے لیے کسی واقعہ سے نظیر لیتے ہیں یا قضیۂ اولیٰ کو قضیۂ ثانیہ پر قیاس کرتے ہیں تو اِس امر کی صحت و بطلان کا انحصار دو اساسات پر ہوتا ہے' جسے اصولیین کی زبان میں اصل اور فرع یا مقیس علیہ اور مقیس کہتے ہیں۔ جب تک ہر دو اجزاء کی مکمل معرفت' اُن کے اوصاف و خواص' تعمیم و تخصیص' اطلاق و تقیید سے واقفیت اور سبب و علت پر حکیمانہ نظر نہ ہو تو یہ استشہاد خطرے سے خالی نہیں ہوتا۔

زیرِ نظر موضوع پر جب ہم اِس اصول کی روشنی میں غور کرتے ہیں تو تعقل کے اجزاء یہ قرار پاتے ہیں:

(۱) منہج انقلاب اخذ کرنے کے نقطۂ نظر سے رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ مطہرہ کا مطالعہ۔

(۲) موجودہ احوال وظروف کا دقتِ نظری سے مطالعہ۔

جزوِ اول کی حیثیت اصل یا مقیس علیہ کی ہوگی اور جزوِ ثانی فرع یا مقیس کہلائے گا۔ اِس بات میں کوئی ابہام نہیں ہونا چاہیے کہ دونوں اجزاء اپنی انفرادی حیثیت میں مکمل توجہ کے مستحق ہیں' کوئی بھی جزو ثانوی درجہ کا نہیں' اس لیے کہ مطلوبہ مقاصد کا حصول صرف اُسی وقت ممکن ہے جب دونوں اجزاء کی صحیح معرفت ہو۔ یعنی سیرت کے مطالعے میں خاص معروضی نقطۂ نگاہ کو اپنایا گیا ہو جو کہ تخریجِ منہج کے لیے مطلوب ہے۔ اور اِسی طرح اپنے زمانہ کے مزاج' تقاضے دورِ نبویؐ کے مقابلہ میں رونما ہونے والے فرق و تفاوت' تمدنی وفکری ارتقاء اور دیگر قابل لحاظ امور کی صحیح صحیح تحقیق و تنقیح کر لی گئی ہو۔ فقہ کی اصطلاح میں پہلے جز کو فقہ الاحکام اور دوسرے جز کو فقہ الواقع سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ایک شخص کے لیے دونوں اجزاء کی تحقیق لازم ہے' ورنہ وہ مقاصدِ شرعیہ کی من کل الوجوہ پاسداری نہیں کر سکتا۔

اِس کو عام فہم انداز میں اِس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ جیسے ایک کاریگر فرمے یا سانچے

سے کوئی شے تیار کرتا ہے۔ اِس عمل کے دو اجزاء ہیں' ایک سانچہ اور دوسرا وہ مادّہ جس کو اُس سانچے میں رکھ کر مطلوبہ شے تیار کی جاتی ہے۔ کاریگر کا دونوں اجزاء سے اچھی طرح واقف ہونا یکساں طور پر ضروری ہے۔ اُسے فرمے یا سانچے کا استعمال بھی آتا ہو اور ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم ہو کہ جس مادہ کو سانچہ میں ڈالا جاتا ہے اُسے پگھلا کر استعمال کیا جاتا ہے یا کاٹ کر یا پیس کر۔ مطلوبہ شے کا حصول تبھی ممکن ہے کہ جب کاریگر دونوں اجزاء سے گہری واقفیت رکھتا ہو۔

اللہ عزوجل نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کو اظہارِ دین یا اقامت دین کے لیے جو منہج دے کر بھیجا وہ واضح طور پر دو مراحل میں منقسم ہے' اور ہر دو مراحل اپنی نوعیت' اثرات اور تقاضوں کے اعتبار سے مختلف اور متضاد بھی ہیں۔ اگر مکی دور میں نازل ہونے والی آیات پر ایک سرسری نگاہ ڈالی جائے تو کوئی مانع نہیں جو اِس تأثر کے اخذ کرنے سے ہمیں روکتا ہو کہ اُس دَور میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے اپنے نبیؐ کو جو منہج اور طریقۂ کار دیا گیا تھا وہ دعوت اور تبلیغ ہی کا تھا جس میں ایک خاص درویشانہ رنگ غالب ہے۔ یہ دَور جہاد وقتال سے یکسر خالی ہے۔ اور اگر کہیں آیات میں لفظ جہاد استعمال ہوا ہے تو اُس کے معنی کوشش اور جدوجہد کے ہیں نہ کہ جنگ وقتال کے۔ اُس دَور کی کیفیات کا مطالعہ کیا جائے تو چند عناصر بہت واضح ہیں' جیسے یہ حکم کہ صبر کیے جاؤ' یعنی جو مصائب دعوت کے دوران پیش آئیں اُن پر صبر کی تلقین ہو رہی ہے۔ استقامت یعنی اپنے موقف پر ڈٹے رہنے کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ ہر مصیبت کو جھیل جانے کا عزم پیدا کیا جا رہا ہے۔ برائی کا بدلہ اچھائی سے دیے جانے پر اُبھارا جا رہا ہے' تزکیۂ نفوس پر زور ہے' نماز اپنی ابتدائی شکل میں ہے اور اُس کی مشق کرائی جا رہی ہے۔ اخلاق کی تہذیب مطلوب ہے۔ حق بات کہنے پر جو ذہنی یا جسمانی اذیت پہنچے اُس پر کمالِ استقامت کی ترغیب اور اس کے نتیجے میں جنت کی خوشخبری دی جا رہی ہے۔ ایمان وتقویٰ میں درجۂ احسان کی جانب پیش قدمی کے لیے تحریض وتشویق ہے۔ سیرتِ نبویؐ کے اس مرحلہ میں مسلمانوں کی پوری جماعت کو اِس بات کی سخت تاکید تھی کہ ظلم کے جواب میں کوئی اقدام نہیں کرنا۔ یعنی مار کھانا ہے مارنا نہیں ہے' جان دینا ہے جان لینا نہیں ہے۔ اِسی حکم کو بعد میں اِن الفاظ میں ظاہر کیا گیا:

﴿ اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ قِیۡلَ لَهُمۡ كُفُّوۡۤا اَیۡدِیَكُمۡ ...... ﴾ (النساء: ۷۷)

''کیا تم نے نہیں دیکھا اُن لوگوں کی طرف جن سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ بندھے رکھو.....؟''

مکی دَور کے منہج کے برعکس ہجرت کے بعد یعنی مدنی دور میں ہم دیکھتے ہیں کہ مندرجہ بالا عناصر میں چند اور چیزوں کا اضافہ ہوتا ہے جس سے جدوجہد کا رنگ ہی بدل جاتا ہے۔ اب کفار کو نہ صرف اُن کے ظلم کا جواب دیا جا رہا ہے' بلکہ آگے بڑھ کر چیلنج بھی کیا جا رہا ہے۔ اُن سے دوبدو جنگ ہو رہی ہے' اُن کی گردنیں اُتاری جا رہی ہیں' کفار و مشرکین کو قیدی بنایا جا رہا ہے۔ جہاں معاہدہ کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے وہاں عہد و میثاق ہو رہے ہیں' جہاں عارضی صلح درکار ہے وہاں امن و صلح کی بات چیت ہو رہی ہے۔ غرض اس اُبھرتی ہوئی طاقت کے لیے جس وقت جو عمل مناسب ہے وہ اختیار کیا جاتا ہے' یہاں تک کہ اللہ عزوجل نے اسلام کو شان و شوکت سے نواز دیا۔

ہر دو مراحل کے تقاضے یکسر مختلف ہیں۔ بظاہر یہ تضاد ہے مگر حکمت دین کو ملحوظ رکھتے ہوئے اگر سیرت کے اِن اَدوار پر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان مراحل کے مابین نسبت تضاد کی نہیں بلکہ تدریج کی ہے۔ ایک مقدم ہے اور ایک مؤخر!

خدا کے کام دیکھو بعد کیا ہے اور کیا پہلے
نظر آتا ہے مجھ کو بدر سے غارِ حرا پہلے!

اس حکمت کو سمجھنے کے لیے ہمارے پاس سب سے مقدم اور مؤثر ذریعہ قرآنِ حکیم ہے اور اُس کے بعد سیرتِ نبویؐ۔ چنانچہ ہم ذیل میں قرآن حکیم کی آیات کو مکی اور مدنی تقسیم کے اعتبار سے پیش کریں گے تاکہ بات واضح ہو جائے۔ اِس سے قبل کہ ہم آیات کی طرف متوجہ ہوں' ایک نظر علامہ زرقانیؒ کی 'مناھل الفرقان' پر ڈالتے ہیں تاکہ قرآن مجید کے فہم میں مکی اور مدنی تقسیم کی اہمیت و افادیت کا اندازہ ہو سکے۔

شیخ زرقانیؒ فائدۃ العلم بالمکی والمدنی کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

من فوائده ایضًا معرفة تاریخ التشریع و تدرّجه الحکیم بوجهٍ عام' وذلك یترتّب علیه الایمان بسمو السیاسة الاسلامیّة فی تربیة الشعوب والافراد [1]

''آیاتِ قرآنی کے مکی اور مدنی ہونے کی معرفت کے کئی فوائد ہیں۔ اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ عام طور پر احکام کے مشروع ہونے کے تاریخی پس منظر کا علم ہوتا ہے اور احکام کے نزول میں ملحوظ رکھی گئی حکیمانہ تدریج سے واقفیت ہوتی ہے اور اِس سے یہ یقین حاصل ہوتا ہے کہ افراد اور قبائل کی ترتیب وتہذیب میں اسلامی سیاست کا اہم کردار ہے''۔

آگے فرماتے ہیں:

والخلاصةُ أن القرآن كله قام على رعاية حال المخاطبين ' فتارةً يشتدُّ و تارةً يلين تبعاً لما يقتضه حالهم(۲)

''اور خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید کل کا کل اپنے مخاطبین کے حالات کی رعایت کرتا ہے۔ کبھی یہ سختی اختیار کرتا ہے اور کبھی نرمی۔ اِس بات کو پیش نظر رکھا گیا ہے کہ مخاطبین کے حالات کس حکم کا تقاضا کرتے ہیں''۔

مزید لکھتے ہیں:

على أننا نلاحظ فى آفاق الآيات و السور المكية' ظاهرة تُسكت كل معاند' و تفحم كل مكابر فى هذا الموضوع وهى أن القسم المكى خلا خلوا تامًا من تشريع القتال والجهاد و المخاشفة' كما حلت أيامه فى مكة على طولها من مقاتلة القوم بمثل ما ياتون من التكيل والمصاولة' فلم يُسمع المسلمين فيها صلصلة لسيف' ولا قَعْقَعةً للسلاح ولا زحف على عدو انما هو الصبر والعفو والمحاملة والمحاسفة (ایضاً)

''ہم دیکھتے ہیں کہ مکی آیات اور صورتوں میں یہ وصف ظاہر ہے کہ اِس میں ہر معاند کا (دلیل سے) منہ بند کرایا گیا ہے اور ہر متکبر کو (برہان اور حجت سے) چپ کرا دیا جاتا ہے۔ اور یہ کہ مکی سورتیں مکمل طور پر جہاد وقتال کے اَحکام سے خالی ہیں۔ جیسا کہ باوجود کفار کی ایذا رسانی کے طویل مکی دَور میں مسلمانوں کو قتال سے روک دیا گیا تھا۔ اس دَور میں مسلمانوں نے نہ تلوار کی گرج سنی نہ ہی اسلحہ کی کڑک' اور نہ ہی دشمنوں پر ہجوم کیا' بلکہ انہیں حکم تھا تو صبر ودرگزر اور تحمل وبرداشت کا''۔

جب قرآن حکیم کی سورتوں پر مکی اور مدنی اَدوار کے حوالے سے غور کیا جاتا ہے تو دونوں

مراحل یعنی مکی دور میں صبر محض اور مدنی دور میں اقدام کی حکمت عملی اِس قدر ظاہر اور واضح ہے کہ علماءِ علوم القرآن کی کتب میں اِسی فرق کو مکی اور مدنی آیات کی پہچان بتاتے ہیں۔ علامہ زرقانیؒ رقم طراز ہیں:

اما ضوابط المدنی: کل سورۃ فیھا الحدود و الفرائض فھی مدنیۃ کل سورۃ فیھا اذن بالجھاد و بیان احکام الجھاد فھی مدنیۃ. (ایضًا)

''مکی اور مدنی سورتوں کی پہچان کا ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ سورت جس میں حدود اور فرائض کا تذکرہ ہے وہ مدنی ہے۔ ہر وہ سورت جس میں جہاد کی اجازت اور جہاد کے احکام کا بیان ہے وہ مدنی ہے''۔

ذیل میں ہم قرآن مجید کی آیاتِ بینات کو نزول کے اعتبار سے یعنی مکی اور مدنی تقسیم کے ساتھ پیش کرتے ہیں:

مکی قرآن پر ایک نظر

یہاں ہمارے پیش نظر یہ ہے کہ مکی قرآن میں جس طرح صبر کی تکرار ہے اور جس طرح اِس وصف پر زور دیا جا رہا ہے وہ بیک چشم سامنے آ جائے۔ درج ذیل آیات پر اِسی تناظر میں غور کیجیے!

☆ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بتایا جا رہا ہے کہ دعوتِ حق کے نتیجے میں آپ سے قبل بھی انبیاء و رُسل علیہم السلام کے ساتھ اِس طرح کا سلوک ہوتا رہا ہے تو پس آپ بھی صبر سے کام لیں۔ سورۃ الانعام میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٣٤﴾ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿٣٥﴾﴾

''اور (اے نبی ﷺ) آپ سے قبل بہت سے رسول جھٹلائے جا چکے ہیں تو اس تکذیب پر اور اُن اذیتوں پر جو اُنہیں پہنچائی گئیں اُنہوں نے صبر کیا یہاں تک کہ اُنہیں

ہماری مدد پہنچ گئی۔ اللہ کی باتوں کو بدلنے کی طاقت کسی میں نہیں ہے۔ اور (پچھلے) رسولوں کے ساتھ جو کچھ پیش آیا اُس کی خبر آپ کو پہنچ ہی چکی ہے۔ تاہم اگر ان لوگوں کی بے رُخی آپ (ﷺ) پر بھاری گزر رہی ہے تو اگر آپؐ میں کچھ زور ہے تو زمین میں کوئی سرنگ ڈھونڈ لیں یا آسمان میں سیڑھی لگالیں اور اِن کے پاس کوئی نشانی لانے کی کوشش کیجیے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو اِن سب کو ہدایت پر جمع کرسکتا تھا' لہٰذا جذبات سے مغلوب ہونے والوں میں سے نہ ہو جائیں!''

☆ سورۃ الاعراف میں اللہ جل شانہ مسلمانوں کی جماعت کو صبر کی تلقین کرتے ہیں اور ثباتِ قلبی کے سامان کے لیے فرماتے ہیں کہ گزشتہ انبیاء اور اُن کے اصحاب کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ پیش آیا تھا۔ انہوں نے صبر کیا اور بشارت پائی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ۚ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝﴾

''کہا موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہ اللہ سے مدد چاہو اور صبر کرو۔ بے شک زمین کی ملکیت اللہ کے لیے ہے' وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا تا ہے' اور انجام کار تو متقیوں کے لیے ہے! لوگ کہنے لگے ہمیں آپ کے آنے سے قبل بھی ستایا گیا اور آپ کے آنے کے بعد بھی۔ (تو حضرت موسیٰؑ نے) فرمایا کہ قریب ہے کہ تمہارا ربّ تمہارے دشمن کو ہلاک کردے اور تم کو زمین میں خلافت عطا کردے' تا کہ وہ دیکھے کہ تم کیسا عمل کرتے ہو۔''

مکی سورتوں کی مزید آیات ملاحظہ کیجیے:

☆ ﴿وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝﴾ (یونس)

''اور (اے نبیؐ!) پیروی کیجیے اُس کی جو آپؐ کی جانب وحی کیا جاتا ہے اور صبر کیجیے یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کردے۔ اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے''۔

☆ ﴿اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِیْرٌ ﴿۱۱﴾﴾ (ھود)

''سوائے اُن لوگوں کے جنہوں نے صبر کیا اور نیک اعمال کیے۔ اُن کے لیے ہے مغفرت اور بہت بڑا اجر''۔

☆ ﴿فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ؕ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۱۱۲﴾﴾ (ھود)

''پس ڈٹے رہیے (اے نبیؐ!) جیسا کہ آپؐ کو حکم ہوا ہے اور وہ بھی جس نے توبہ کی آپؐ کے ساتھ اور تم لوگ حد سے نہ بڑھنا۔ بے شک وہ دیکھ رہا ہے جو کچھ تم کرتے ہو''۔

☆ اسی سورت میں آگے جا کر پھر ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۱۵﴾﴾

''اور صبر کرو۔ بے شک اللہ ضائع نہیں کرتا نیکوکاروں کے اجر کو''

☆ سورۃ النحل بھی مکی سورت ہے۔ اس میں اہل ایمان کے اوصاف کے ضمن میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۴۲﴾﴾

''وہ لوگ جو صبر کی روش اختیار کرتے ہیں اور اپنے ربّ پر توکل کرتے ہیں''۔

☆ اسی سورت میں ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿وَلَنَجْزِیَنَّ الَّذِیْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾﴾

''اور لازماً ہم صبر کرنے والوں کو اُن کا اجر اُن کے بہترین اعمال کے مطابق دیں گے''

☆ اسی سورت کے دوسرے مقام پر فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِیْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۱۰﴾﴾

''پھر یہ کہ آپؐ کا ربّ اُن لوگوں کے لیے جنہوں نے ہجرت کی اس کے بعد کہ وہ

آزمائے گئے' پھر اُنہوں نے جہاد کیا اور صبر کیا' بے شک آپ کا ربّ اس کے بعد بخشنے والا مہربان ہے''۔

اس آیت کے ذیل میں شاہ عبدالقادرؒ موضح القرآن میں تحریر فرماتے ہیں:

''یہ آیت کریمہ حضرت یاسر رضی اللہ عنہ' حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ پر ہونے والے مظالم کے بعد نازل ہوئی۔''

واضح رہے کہ اِن آیات میں جو لفظ ''جہاد'' استعمال ہوا ہے وہ اپنے لغوی معنی میں ہے' یعنی جدوجہد' کشاکش' نہ کہ جنگ وقتال کے معنی میں۔ اس لیے کہ ہم جانتے ہیں مکہ میں کسی قسم کا قتال تو کیا مدافعت کے لیے بھی ہاتھ اُٹھانے پر پابندی تھی۔ اسی طرح سورۃ العنکبوت میں ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝﴾

''اور وہ لوگ جو ہماری راہ میں جدوجہد کرتے ہیں ہم اُنہیں ضرور اپنے راستوں کی ہدایت دیں گے۔ اور یقیناً اللہ تعالیٰ نیکوکاروں ہی کے ساتھ ہے۔''

☆ ایک اور مکی سورۃ' سورۃ الفرقان میں لفظ جہاد انہی معنی میں استعمال ہوا ہے' جسے ''جہاداً کبیراً'' کہا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ۝﴾

''پس کافروں کا کہنا مت مانو اور ان سے اِس (قرآن) کے ساتھ جہاد کرو بڑا جہاد''۔

مراد یہ ہے کہ قرآن مجید فرقان حمید کی آیاتِ بینات کے ذریعے مسلمان مرحلۂ دعوت کے دوران احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا فریضہ نظریاتی اور قولی سطح پر ادا کریں۔ اس مفہوم کا تعین اس حکم صریح سے ہوتا ہے جو سیرت النبیؐ کے پورے مکی دَور پر محیط ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ﴾ (النساء: ۷۷)

''کیا آپؐ نے نہیں دیکھا اُن لوگوں کو جن سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو بندھا رکھو؟''

جبکہ اذنِ قتال تو اثنائے سفر ہجرت بایں الفاظ نازل ہوا:

﴿اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُۨ ﴾ (الحج)

''اجازت دے دی گئی اُن لوگوں کو (قتال کرنے کی) جن سے قتال کیا گیا بسبب اس کے کہ اُن پر ظلم ہوا۔ اور بے شک اللہ اُن کی مدد پر قادر ہے''۔

اس کے ذیل میں صاحب موضح القرآن لکھتے ہیں:

''جب تک حضرت ﷺ مکے میں رہے حکم تھا کہ مسلمان صبر کریں کافروں کی بدی پر۔ اور جب مدینہ میں آئے تو حکم ہوا کہ جو تم سے بدی کرے تم بھی بدلا لو جہاد شروع ہوا''

تفسیر طبری میں آیت ﴿اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُۨ ﴾ (العنکبوت) کا شانِ نزول اس طرح بیان ہوا ہے:

قال العوفی عن ابن عباس نزلت فی محمد ﷺ واصحابه حین اخرجوا من مكة وقال مجاهد و الضحاك وغير واحد من السلف كابن عباس وعروة بن الزبير وزيد بن اسلم و مقاتل بن حيان و قتادة وغيرهم هذه اول آية نزلت فی الجهاد. وروى ابن جرير عن ابن عباس قال لما اخرج النبی ﷺ من مكة قال ابو بكر: اَخرجوا نبيهم انا لله وانا اليه راجعون ليهلكن قال ابن عباس فانزل الله عزوجل: ﴿اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا﴾ قال ابو بكرؓ فعرفت انه سيكون قتال وزاد الامام أحمد قال ابن عباس وهی اول آية نزلت فی القتال(۳)

''عوفی نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ یہ آیت محمد رسول اللہ ﷺ اور اُن کے اصحابؓ کے بارے میں اُس وقت نازل ہوئی جب وہ مکہ سے نکالے گئے۔ جیسے ابن عباسؓ عروہؓ بن زبیرؓ، زید بن اسلمؓ، مقاتل بن حیانؒ اور قتادہؒ وغیرہ نے کہا کہ یہ وہ آیت ہے جو جہاد (قتال) کے بارے میں سب سے پہلے نازل کی گئی۔ اور ابن جریر نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ کو مکہ سے نکالا گیا تو حضرت ابوبکرؓ نے کہا: ''انہوں نے (کفار مکہ نے) اپنے نبیؐ کو ہجرت پر مجبور کیا —— انا للہ وانا الیہ

راجعون—— تا کہ وہ خود ہلاک کیے جائیں! حضرت ابن عباس نے کہا کہ پس اللہ نے یہ آیت نازل کی: ''اجازت دی گئی اُن لوگوں کو جن سے قتال کیا گیا (قتال کی) بسبب اس کے کہ اُن پر ظلم ہوا'' تو حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ میں جان گیا کہ یہ قتال کا اذن ہے اور اس پر امام احمد نے ابن عباسؓ سے مزید نقل کیا ہے کہ یہ اولین آیت ہے جو قتال کے متعلق نازل ہوئی۔''

اس ضروری وضاحت کے بعد ہم واپس مکی قرآن کے معروضی مطالعہ کو آگے بڑھاتے ہیں۔

☆ ﴿فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿١٣٠﴾﴾ (طٰہٰ)

''سو صبر کیجیے اُس پر جو یہ کہتے ہیں اور اپنے ربّ کی حمد و ثنا کے ساتھ اس کی تسبیح کیجیے سورج نکلنے سے قبل اور غروب ہونے سے قبل' اور رات کے اوقات میں پاکی بیان کیجیے اور صبح و شام بھی تا کہ راضی ہو جائے آپ کا ربّ''۔

☆ سورۃ النحل میں اُس عظیم الشان آیت کے بعد جس میں دعوت الی اللہ کے مراتب ثلاثہ بیان ہوئے ہیں' یعنی حکمت' موعظتِ حسنہ اور جدالِ احسن' یہ آیات وارد ہوئی ہیں:

﴿وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۭ وَلَىِٕنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿١٢٦﴾ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿١٢٧﴾﴾

''اور اگر بدلہ لو تو بدلہ لو اُس قدر جتنی تم کو تکلیف پہنچی' اور اگر صبر کرو تو یہ بہتر ہے صبر کرنے والوں کے لیے۔ اور صبر کرو اور آپ کا صبر کرنا تو نہیں مگر اللہ ہی کی مدد سے' اور اِن پر غم نہ کیجیے اور ان کے فریب کی وجہ سے تنگی محسوس نہ کیجیے''۔

اس مقام پر یہ اشتباہ ہو سکتا ہے کہ مکی دور میں بھی بدلہ لینے کی اجازت تھی' مگر جاننا چاہیے کہ اولاً تو یہ ایک انفرادی رخصت ہے نہ کہ عمومی حکم۔ پھر یہ کہ اصل حکم آیت کے ابتدائی حصہ میں پورے اہتمام کے ساتھ بیان ہوا ہے' یعنی یہ کہ اگر کوئی انفرادی طور پر جذبات سے مغلوب

راجعون—— تاکہ وہ خود ہلاک کیے جائیں! حضرت ابن عباس نے کہا کہ پس اللہ نے یہ آیت نازل کی: ''اجازت دی گئی اُن لوگوں کو جن سے قتال کیا گیا (قتال کی) بسبب اس کے کہ اُن پر ظلم ہوا'' تو حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ میں جان گیا کہ یہ قتال کا اذن ہے اور اس پر امام احمد نے ابن عباسؓ سے مزید نقل کیا ہے کہ یہ اولین آیت ہے جو قتال کے متعلق نازل ہوئی۔''

اس ضروری وضاحت کے بعد ہم واپس مکی قرآن کے معروضی مطالعہ کو آگے بڑھاتے ہیں۔

☆ ﴿فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّیْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰی ﴿۱۳۰﴾﴾ (طٰہٰ)

''سو صبر کیجیے اُس پر جو یہ کہتے ہیں اور اپنے ربّ کی حمد وثنا کے ساتھ اس کی تسبیح کیجیے سورج نکلنے سے قبل اور غروب ہونے سے قبل' اور رات کے اوقات میں پاکی بیان کیجیے اور صبح وشام بھی تاکہ راضی ہو جائے آپ کا ربّ''۔

☆ سورۃ النحل میں اُس عظیم الشان آیت کے بعد جس میں دعوت الی اللہ کے مراتبِ ثلاثہ بیان ہوئے ہیں' یعنی حکمت' موعظتِ حسنہ اور جدالِ احسن' یہ آیات وارد ہوئی ہیں:

﴿وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَیْرٌ لِّلصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ وَلَا تَكُ فِیْ ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾﴾

''اور اگر بدلہ لو تو بدلہ لو اُس قدر جتنی تم کو تکلیف پہنچی' اور اگر صبر کرو تو یہ بہتر ہے صبر کرنے والوں کے لیے۔ اور صبر کرو اور آپ کا صبر کرنا تو نہیں مگر اللہ ہی کی مدد سے' اور اِن پر غم نہ کیجیے اور ان کے فریب کی وجہ سے تنگی محسوس نہ کیجیے''۔

اس مقام پر یہ اشتباہ ہو سکتا ہے کہ مکی دور میں بھی بدلہ لینے کی اجازت تھی' مگر جاننا چاہیے کہ اولاً تو یہ ایک انفرادی رخصت ہے نہ کہ عمومی حکم۔ پھر یہ کہ اصل حکم آیت کے ابتدائی حصہ میں پورے اہتمام کے ساتھ بیان ہوا ہے' یعنی یہ کہ اگر کوئی انفرادی طور پر جذبات سے مغلوب

ہوکر کوئی جوابی کارروائی کردے تو اُس پر لازم ہے کہ برابر کا معاملہ کرے نہ کہ اقدام بعؔ ''دل ہی تو ہے نہ سنگ وخشت درد سے بھر نہ آئے کیوں!'' جبکہ مدنی دَور میں اقدام کو بھی مشروع کیا گیا۔ جیسا کہ تحریک اسلامی اپنے مقاصد کے حصول کے لیے مرحلہ وار اُس مقام پر پہنچ چکی تھی جب باطل پر اقدامی وار وقت کی ضرورت ہی نہیں بلکہ اہم ترین تقاضا ہوتا ہے۔ اس آیت کے ذیل میں امام ابن کثیرؒ بحوالہ طبری' ابن زیدؒ کا قول نقل کرتے ہیں:

وقال ابن زيد: كانوا قد امروا بالصفح عن المشركين فأسلم رجال ذومنعة فقالوا يا رسول الله! لو أذن الله لنا لا نتصرنا من هؤلاء الكلاب' فنزلت هذه الآية ثم نسخ ذلك بالجهاد(٤)

''ہمیں مشرکین سے عدم تعارض کا حکم دیا گیا تھا' مگر پھر مقابلہ کی طاقت رکھنے والے لوگ بھی اسلام لے آئے تو ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ! اگر اللہ ہمیں اجازت دیتا تو ہم ان کتوں کا خوب مقابلہ کرتے۔ تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور پھر عدم تعارض کا حکم جہاد سے منسوخ ہوگیا''۔

صاف ظاہر ہے کہ یہ مکی دور کے آخری حصہ کا تذکرہ ہو رہا ہے جس کے بعد وہ مراحل بھی آئے جن میں کفار سے کھل کر قتال کیا گیا۔ محولہ بالا اقتباس میں جو ترشی ہے اُس سے صحابہ کی کیفیت ظاہر ہوتی ہے کہ اُن کی غیرتِ ایمانی اُنہیں اقدام کی طرف اُبھار رہی ہے مگر کفِ ید کا حکم اتنا واضح ہے کہ کوئی اس کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ بس دربار نبوتؐ میں دست بستہ اجازت طلب کرتے نظر آتے ہیں۔ یہی وہ ضبط ہے جو ہر انقلابی جماعت کی ابتدائی مراحل میں اہم ترین ضرورت ہے۔ (یہاں جو نسخ کا ذکر ہوا ہے اس پر ہم آگے چل کر اِن شاء اللہ الگ عنوان کے تحت گفتگو کریں گے' کیونکہ آج کل ایک خاص طرح کے لٹریچر میں اس کا بے جا طور پر استعمال ہوتا ہے۔)

سلسلۂ تنزیل کے دورِ مکی میں مرحلۂ دعوت کے ضمن میں صبر واستقامت کے حوالے سے نازل ہونے والی مزید آیات ملاحظہ فرمایئے:

☆ ﴿فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ۝٦٠﴾ (الروم)

''پس صبر کیجیے' تحقیق اللہ کا وعدہ سچا ہے (ایک روز آپ ضرور غالب ہو کر رہیں گے) اور آپ کو یقین نہ رکھنے والے لوگ ہرگز ہلکا نہ پائیں!''

☆ جب مسلمان اپنے انتہائی پر مشقت اور صبر آزما دور سے گزر رہے تھے تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس موقع پر حضرت لقمان کی نصیحت کے ضمن میں صبر و استقامت کو عزم الامور قرار دے کر نبی اکرم ﷺ اور صحابہؓ کے لیے بشارت کا سامان فرمایا:

﴿يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝﴾ (لقمٰن)

''(حضرت لقمان فرماتے ہیں) اے میرے بیٹے! نماز قائم رکھ' نیکی کی تلقین کر اور برائی سے منع کر اور جو آفت تم پر آئے اُس پر صبر کر۔ بے شک یہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے''۔

مزید فرمایا:

☆ ﴿قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ۭ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝﴾ (الزمر)

''کہہ دیجیے (اے نبیؐ!) کہ اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو! اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو۔ جو لوگ اِس دنیا میں اچھے کام کریں گے اُن کے لیے (آخرت میں) اچھا بدلا ہے۔ اور اللہ کی زمین کشادہ ہے۔ بے شک صبر کرنے والوں کو اُن کا اجر بے حساب دیا جائے گا''۔

☆ ﴿وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝﴾ (الشوریٰ)

''اور البتہ جس نے صبر کیا اور بخش دیا تو یہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے''۔

❁ مرحلۂ دعوت کا وہ وصف جو مخالفین دعوت پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوتا ہے' وہ صبر ہی ہے' یعنی مخالفت کو برداشت کرنا اور اپنے موقف پر ڈٹے رہنا۔ چنانچہ سورۃ الاحقاف کے اخیر میں رسول اللہ ﷺ کی وساطت سے حزب اللہ کے سامنے انبیاءِ سابقین علیہم السلام کا اسوہ پیش کیا جا رہا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

☆ ﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ۭ كَاَنَّهُمْ

يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ.....﴾ (الاحقاف)

''پس صبر کیجیے جیسا کہ صبر کیا صاحب عزم پیغمبروں نے اور ان کے معاملہ میں جلدی مت کیجیے۔ ایسا ہے کہ وہ دیکھیں گے اُس دن جس کا اُن سے وعدہ کیا جاتا ہے.....''

☆ ﴿ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ ﴾ (الطور)

''اور صبر کیجیے اپنے رب کے حکم کا (اپنے ربّ کے حکم کے منتظر رہیے) تحقیق آپ ہماری نگاہوں میں ہیں اور اپنے ربّ کی پاکی بیان کیجیے اس کی حمد کے ساتھ جب قیام کریں''۔

☆ ﴿ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيلًا ﴾ (المعارج)

''پس صبر کیجیے خوبصورت صبر''۔

☆ ﴿وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا ﴾ (المزمل)

''اور صبر کیجیے اُس پر جو کچھ یہ کہتے ہیں اور اِن سے دوری اختیار کیجیے اچھی طرح سے''۔

☆ ﴿وَالْعَصْرِ ۝ إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴾ (العصر)

''قسم ہے زمانے کی' بے شک انسان خسارے میں ہے' سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے اور آپس میں حق کی تاکید کی اور صبر کی تلقین کی''۔

❁ استقامت جو کہ مرحلۂ دعوت کے عناصر ترکیبی میں اہم عنصر ہے' سے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

☆ ﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴾ (الاحقاف)

''بے شک وہ لوگ جنہوں نے کہا اللہ ہمارا ربّ ہے' پھر اُس پر ڈٹ گئے' تو ان پر نہ کوئی خوف ہے نہ ہی وہ غمگین ہوں گے''۔

☆ ﴿فَلِذَٰلِكَ فَادْعُ ۖ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ ۖ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ ﴾ (الشوریٰ:۱۵)

''پس اسی طرف دعوت دیے جائیں' اور ڈٹے رہیے جیسا کہ آپ کو حکم ہوا ہے اور اُن

کی خواہشات کی پیروی مت کرنا''۔

☆ سورۂ 'حٰمٓ السجدۃ' میں تو یہ مضامین یعنی دعوت' استقامت اور صبر اپنی تکمیلی شان کے ساتھ جلوہ گر ہوتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿٣٠﴾﴾

''بے شک وہ لوگ جنہوں نے کہا اللہ ہمارا رب ہے پھر اُس پر ڈٹ گئے (استقامت اختیار کی) اُن پر فرشتے نازل ہوتے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ نہ ڈرو اور نہ ملال کرو اور خوشخبری سنو اُس جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے''۔

تسلسل کلام میں پھر دعوت الی اللہ کا تذکرہ آتا ہے۔ فرمایا:

﴿ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا...... ﴾

''اور اُس سے اچھی بات کس کی ہوگی جو اللہ کی طرف بلائے اور عمل کرے نیک......؟''

پھر اگلی آیت میں دعوت کے منہج کی مزید توضیح کر دی کہ برائی اور بھلائی برابر نہیں۔ تم برائی کو بھلائی سے دور کرو' اس کے نتیجے میں تمہارے دشمن تمہارے گرویدہ ہو جائیں گے۔

اور اس سے اگلی آیت میں پھر دعوت الی اللہ کے ساتھ جو صبر و برداشت کا تعلق ہے اُس کو اِن شاندار الفاظ میں بیان فرمایا:

﴿وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿٣٥﴾﴾

''اور نہیں حاصل ہوتا یہ مقام مگر اُن لوگوں کو جو صبر کی روش اختیار کرتے ہیں' اور نہیں ملتا یہ مرتبہ مگر بڑے نصیب والوں کو''۔

اگر ہم اس مشق یعنی مکی قرآن میں سے مرحلۂ دعوت سے متعلق آیات کی تخریج کو جاری رکھیں تو اس کے لیے مزید کئی صفحات درکار ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو غلبہ و اقامت دین کے لیے جو منہج دے کر بھیجا وہ واضح طور پر دو مرحلوں پر منقسم ہے' جیسا کہ قرآن و سیرت کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے۔ ایک کو ہم مکی دَور کہتے ہیں اور ایک کو مدنی دَور۔ ان کے مابین اصل فرق یہ ہے کہ مکی دور میں مسلمانوں کی تعداد اور استعداد کم تھی' ان کی تربیت اور تزکیہ و تنظیم کا عمل جاری تھا اِس لیے رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ کو حکم یہ تھا کہ اسلام

کی دعوت اپنے قول و فعل سے دیتے رہیں۔ ایمان کی پختگی، گہرائی اور گیرائی کے لیے سعیِ پیہم جاری تھی۔ اخلاق کی تہذیب، اللہ کے ساتھ عبدیت کے تعلق کو مستحکم کرنے کی کوشش اور درجۂ احسان کا حصول اُس دَور میں اپنے عروج پر نظر آتا ہے۔ منہج کے اعتبار سے دیکھا جائے تو صبح و شام اُس مطلوبہ استعداد اور تعداد کو حاصل کرنے کے لیے دعوت کا عمل ہر قربانی اور ایثار کے جذبہ کے ساتھ انتہائی مستقل مزاجی اور بغیر کسی مداہنت کے جاری و ساری تھا۔ یہی وہ تشکیلی دَور ہے جس میں رسولِ خدا ﷺ نے وحیٔ الٰہی کی روشنی میں صحابہ کرامؓ کی صورت میں وہ قوت و جمعیت فراہم کی جو کسی بھی نظام سے ٹکرانے یا بالفاظِ دیگر مسلح یا غیر مسلح اقدام کے لیے شرط کی حیثیت رکھتی ہے۔

مدنی قرآن پر ایک نظر

اِس عنوان کے تحت ہم قرآن مجید سے اُن آیات کا ایک انتخاب پیش کر رہے ہیں جن سے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جدوجہد کے مدنی دور پر روشنی پڑتی ہے اور اس دور کے منہج کی خاصیت یعنی جہاد و قتال کی کیفیات ہمارے سامنے آتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ وہ خصوصیات ہیں جو مکی دور میں نہیں پائی جاتیں۔ مقصود اس تقابلی مطالعہ سے ہر دو مراحل کے فرق کو واضح کرنا ہے، تاکہ یہ دعویٰ پائے ثبوت کو پہنچ جائے کہ منہج اور طریقہ کار کا تعلق اصلاً مخاطبین کے اقتضاءِ حال سے ہے جو کہ احوال کے تبدیل ہونے سے بدلتا ہے۔

ان آیات کے مطالعہ کے دوران یہ حقیقت پیشِ نظر رہے کہ جب اِن کا نزول ہوا تو یہ وہ زمانہ ہے جب تحریک اسلامی، تحریک کے مرحلہ سے گزر کر ریاست اسلامی کی شکل اختیار کر چکی تھی۔ یعنی قتال فی سبیل اللہ کی جو شرائط شریعت اسلامیہ میں مقرر ہیں وہ پوری ہو چکی تھیں۔ ارشادِ الٰہی ہے:

☆ ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (البقرۃ)

''تم پر قتال فرض کر دیا گیا اور وہ تمہیں ناپسند ہے۔ اور ممکن ہے ایک چیز تم کو ناپسند ہو

جبکہ وہ تمہارے لیے بہتر ہو۔اور (اس کے برعکس) ممکن ہے ایک چیز تم کو محبوب ہو مگر اُس میں تمہارے لیے شر ہو۔اور اللہ جانتا ہے اور تم لوگ علم نہیں رکھتے"۔

☆ ﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ﴾ (التوبة)

"قتال کرو اُن لوگوں سے جو ایمان نہیں رکھتے اللہ پر اور یوم آخرت پر اور حرام نہیں ٹھہراتے اُسے جس کو حرام کیا اللہ اور اُس کے رسولؐ نے اور قبول نہیں کرتے دین حق کو اُن لوگوں میں سے جن کو کتاب دی گئی یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں اور چھوٹے بن کر رہیں"۔

☆ ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ﴾ (الحدید:۲۵)

"تحقیق ہم نے بھیجا اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیوں کے ساتھ اور اُن کے ساتھ نازل کی کتاب اور میزان تا کہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔اور ہم نے لوہا بھی اُتارا جس میں لڑائی کی سخت صلاحیت ہے اور لوگوں کے لیے دیگر فوائد بھی ہیں' تا کہ اللہ ظاہر کر دے کہ کون اللہ اور اُس کے رسولوں کی بن دیکھے مدد کرتا ہے"۔

☆ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (البقرة)

"بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور وہ جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا یہ لوگ ہیں جو اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں۔اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے"۔

☆ ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۭ﴾ (ال عمران:۱۱۰)

"تم بہترین اُمت ہو جو نکالے گئے ہو لوگوں کے لیے' تم نیکی کا حکم کرتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو"۔

☆ ﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ

وَّصَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۴۰﴾ (الحج)

''اور اگر اللہ دور نہ کرتا بعض کو بعض سے تو ڈھائی جاتیں خانقاہیں' یہود و نصاریٰ کے عبادت خانے' معبد اور مساجد جن میں کثرت سے اللہ کا نام لیا جاتا ہے۔ اور اللہ ضرور مدد کرے گا اُس کی جو اللہ کی مدد کرے (اُس کے دشمنوں سے لڑے)۔ بے شک اللہ زور آور (اور) زبردست ہے''۔

☆ ﴿وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۶﴾﴾ (التوبة)

''اور قتال کرو مشرکوں سے اکٹھے ہو کر جیسا کہ وہ تم سے اکٹھے لڑتے ہیں۔ اور جان رکھو کہ بے شک اللہ متقیوں کے ساتھ ہے''۔

☆ ﴿اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْئًا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾﴾ (التوبة)

''اگر نہیں نکلو گے تو اللہ تعالیٰ عذاب دے گا تم کو دردناک عذاب اور بدل دے گا تمہاری جگہ دوسرے لوگوں کو' اور تم اُس کا کچھ نقصان نہ کر پاؤ گے۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے''۔

☆ ﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ﴾ (الانفال:۳۹)

''اور قتال کرو اُن سے یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو جائے اور ہو جائے دین کل کا کل اللہ کے لیے''۔

☆ ﴿اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۳۳﴾﴾ (المائدة)

''یقیناً جو لوگ لڑتے ہیں اللہ اور اُس کے رسول سے اور فساد برپا کرنے کے لیے زمین میں دوڑ دھوپ کرتے ہیں ان کی سزا یہ ہے کہ وہ قتل کیے جائیں اچھی طرح' یا سولی دیے جائیں' یا کاٹے جائیں ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے یا ملک بدر کیے

جائیں۔ یہ اُن کے لیے رسوائی ہے دنیا میں اور آخرت میں اُن کے لیے بڑا عذاب ہے''۔

☆ ﴿فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴿٨٤﴾﴾ (النساء)

''پس قتال کیجیے اللہ کی راہ میں۔ آپ مکلف نہیں ہیں سوائے اپنی جان کے اور رغبت دلائیے ایمان والوں کو۔ قریب ہے کہ اللہ روک دے کافروں کی جنگ کو۔ اور اللہ بہت سخت ہے جنگ میں اور بہت سخت ہے عذاب دینے میں''۔

☆ ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ﴾ (التوبۃ:۵)

''تو قتل کرو مشرکوں کو جہاں پاؤ اُن کو اور پکڑو اُن کو اور گھیرو اُن کو اور اُن کی تاک میں ہر گھات میں بیٹھو''۔

☆ ﴿فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ۭ كَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٩١﴾﴾ (البقرۃ)

''پس اگر وہ لڑیں تم سے تو اُن کو قتل کرو۔ کافروں کی ایسی ہی سزا ہے''۔

☆ ﴿وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿١٩٠﴾﴾ (البقرۃ)

''اور لڑو اللہ کی راہ میں اُن لوگوں سے جو تم سے لڑتے ہیں اور دیکھو زیادتی مت کرنا۔ تحقیق اللہ حد سے بڑھنے والوں کو محبوب نہیں رکھتا''۔

☆ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ﴿٤﴾﴾ (الصف)

''تحقیق اللہ محبوب رکھتا ہے اُن لوگوں کو جو اُس کی راہ میں قتال کرتے ہیں صفیں باندھ کر، ایسے جیسے کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں''۔

☆ ﴿وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿٢٦﴾﴾ (الاحزاب)

''اور اللہ تعالیٰ اہل کتاب میں سے اُتار لایا اُن لوگوں کو اُن کے قلعوں سے جنہوں نے

ان (حملہ آوروں) کی پشت پناہی کی تھی اور ڈال دیا اُن کے دلوں میں رعب کہ اب تم کچھ کو قتل کرتے ہو اور کچھ کو قیدی بناتے ہو"۔

☆ ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ① لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ②﴾ (الفتح)

"تحقیق ہم نے (اے نبیؐ!) آپ کو کھلی فتح عطا کی۔ تاکہ اللہ آپ کے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دے اور پوری کرے اپنی نعمت آپ پر اور دکھلائے آپ کو سیدھی راہ"۔

☆ ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ① وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ② فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ③﴾ (النصر)

"جب آ گئی اللہ کی نصرت اور فتح۔ اور آپ دیکھتے ہیں لوگوں کو کہ وہ داخل ہو رہے ہیں اللہ کے دین میں فوج در فوج۔ پس اپنے ربّ کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجیے اور اس سے استغفار کیجیے۔ بے شک وہ توبہ کو قبول کرنے والا ہے"۔

قرآن مجید کی مکی اور مدنی آیات کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہر دو اَدوار میں مسلمانوں کا رویہ کفار سے یکسر مختلف اور متضاد رہا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مکی دور میں نبی اکرم ﷺ اور ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم مشرکین کے مظالم کے جواب میں صبر و مصابرت کی روش پر گامزن ہیں اور اس کے برعکس مدینے میں ایک ایسا وقت بھی آیا کہ ابوسفیان نے دربارِ نبویؐ میں دست بستہ حاضر ہو کر صلح کی درخواست کی لیکن نبی اکرم ﷺ نے صلح نہیں کی۔ ظاہر ہے کہ یہ عمل وحیٔ الٰہی کی روشنی میں نبی اکرم ﷺ کی رہنمائی اور قیادت میں اختیار کیا گیا۔ مکی دَور میں پوری جدوجہد پر ایک درویشانہ اور مظلومانہ رنگ غالب ہے جبکہ مدنی دور میں اقدامی اور جارحانہ روش دکھائی دیتی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہے اور اس کے پیچھے کیا حکمت کارفرما ہے؟ تو جاننا چاہیے کہ اسلام نہ ہمیشہ امن اور صلح، صبر اور درگزر کی تعلیم دیتا ہے اور نہ ہی ہر حال اور ہر جگہ جنگ و جدال اور جہاد و قتال پر اُبھارتا ہے۔ اسلام میں فی نفسہٖ نہ صلح مطلوب ہے نہ قتال، بلکہ یہ دونوں ایک خاص مقصد کے لیے حکمت عملی کے طور پر اختیار کیے جاتے ہیں، اور وہ خاص مقصد ہے اظہارِ دینِ حق، اقامت دین، قیامِ خلافت، نصب امامت، اقامۃ الدولۃ الاسلامیہ، حکومت الٰہیہ کا قیام۔ غرض نام اور اندازِ تعبیر مختلف ہیں مگر ان سب سے

ایک ہی حقیقت کا اظہار مطلوب ہے۔ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے اِس آیت کو سیرت النبی ﷺ کا عمود قرار دیا ہے' یعنی یہی وہ نقطہ ہے جس کے گرد پوری تیئیس سالہ جدوجہد گردش کر رہی ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ﴾ (التوبۃ:۳۳' الفتح:۲۸' الصف:۹)

''وہی ہے (اللہ) جس نے بھیجا اپنے رسول کو الہدیٰ (کتابِ ہدایت) اور دینِ حق دے کر تاکہ غالب کر دے اُسے تمام نظام ہائے حیات پر''۔

اس آیت مبارکہ میں نبی اکرم ﷺ کا مقصد بعثت بیان ہوا ہے۔ اس نقطہ کو سمجھ لینے کے بعد سیرت کے ہر دو مراحل میں کوئی تضاد اور کوئی تعارض باقی نہیں رہتا۔ یعنی جب بھی جو طریقۂ کار غلبۂ دین کے لیے زیادہ مناسب تھا ہم دیکھتے ہیں کہ سیرت النبیؐ میں وہی طریقہ اختیار کیا گیا۔ جب تک مکہ میں رہے مسلمانوں کے پاس اِس قدر قوت نہ تھی کہ کفر کی حکمرانی کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکتے اور اُس کی جگہ خدا کی حکمرانی قائم کرتے۔ اِس لیے اقدام نہ کیا بلکہ مسلسل تن دہی کے ساتھ قوت کی فراہمی میں کوشاں رہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہاں قوت سے مراد صرف عددی قوت نہیں بلکہ ایسی عددی قوت کی فراہمی مطلوب ہے جو ایمانِ حقیقی سے وافر حصہ رکھتے ہوں اور عمل صالح پر کاربند ہوں۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ جب مطلوبہ قوت فراہم ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ نے باطل کے خلاف اقدام کیا اور بھرپور کیا۔ بالآخر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسلام اور اہل ایمان کو غلبہ عطا فرمایا۔ دراصل یہ نقطہ حکمت دین سے متعلق ہے اور حکمت کی ایک تعریف یوں بھی کی گئی ہے: "وضع الشئ فی محلہ"۔ یعنی ہر چیز کو اُس کے صحیح مقام پر رکھنا۔ اللہ ہمیں حکمت عطا فرمائے۔ آمین!

کیا اب مکی منہج (مرحلۂ دعوت) منسوخ ہے؟

جیسا کہ واضح کیا گیا' منہج نبویؐ کے دو مراحل ہیں جن میں حالات کی رعایت سے مقدم و مؤخر کی نسبت ہے۔ اب مسئلہ یہ درپیش ہے کہ ہمارے زمانے کے بعض خاص ذہنی پس منظر رکھنے والے افراد جو انقلابِ اسلامی کے طریقہ کار جیسے اہم موضوع پر سنجیدہ علمی و عقلی غور و فکر کے لیے سرے سے تیار ہی نہیں اور مسلمانوں کی موجودہ صورتِ حال پر اس قدر انفعالی کیفیت کا شکار

ہیں کہ بغیر کسی استدلال کے نری جذباتیت برتتے ہیں' اور جو منہج اُنہوں نے اپنایا ہوا ہے وہ اصلاً تو کوئی لائحہ عمل ہے ہی نہیں اِلّا یہ کہ اپنے غم وغصہ کا اظہار ہو یا کچھ انتقامی جذبات کی تسکین ہو' سر دست ہم اُن کے اِس دعویٰ بلا دلیل کا جائزہ پیش کرنا چاہتے ہیں کہ کیا جہاد وقتال کی آیات کے نزول سے دعوت وتبلیغ کا منہج منسوخ ہو گیا ہے؟ وہ آیات جو مکی دَور میں ہاتھوں کو باندھے رکھنے اور برائی کا جواب اچھائی سے دینے' مظالم پر صبر کرنے اور ظلم وجبر کے جواب میں مسلسل دعوت و تنظیم کو مزید بڑھانے کا مطالبہ کرتی ہیں' منسوخ ہو چکی ہیں اُن آیات سے جو مدنی دَور میں اذنِ قتال اور پھر حکم قتال سے متعلق نازل کی گئیں؟ ہمیں اِس بات کا جائزہ لینا ہے کہ یہ دعویٰ کہاں تک صحیح ہے؟

نسخ کا دعویٰ

ہمارے اِن نیک نیت مگر جذبات سے مغلوب بھائیوں کو اس بات کا اندازہ نہیں کہ وہ خالص علمی بحث کو چٹکیوں میں اُڑا رہے ہیں جسے اہل علم نے علوم القرآن کی کتب میں خاص اہتمام کے ساتھ ناسخ ومنسوخ کے عنوان کے تحت درج کیا ہے۔ دیکھنا چاہیے کہ اس ہوائی دعوے کی زد قرآن حکیم کی بیشتر محکم آیات پر پڑتی ہے جس کے بعد قرآن مجید کا ایک بڑا حصہ ہمیں مخاطب ہی نہیں کرتا۔ یہ قرآن حکیم جو ابدالآباد کے لیے اور بنی نوع انسان کے ہر مسئلہ کے لیے اپنے اندر رہنمائی سموئے ہوئے ہے ہم اُسے اپنے جذبات اور جوش وخروش کے ہاتھوں مجبور ہو کر اتنا محدود کر دیں کہ اُسے غلبۂ دین کی جدوجہد کے صرف ایک دَور کے ساتھ خاص کر دیں' یہ قرآن پر ظلم اور لوگوں کو گمراہ کرنے والی بات ہے!

اب آیئے دیکھتے ہیں کہ اس دعوے کے متعلق اہل علم کیا فرماتے ہیں۔

سب سے پہلے علامہ بدرالدین زرکشیؒ کی 'البرھان فی علوم القرآن' کو لیتے ہیں جس پر یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ یہ موقف علماءِ سوء نے نائن الیون کے بعد مسلمانوں کو مغرب کی غلامی میں دینے کے لیے اختیار کیا ہے (کیونکہ علامہ کا تعلق ساتویں صدی ہجری سے ہے)۔ علامہؒ لکھتے ہیں:

فیما یقع فیه النسخ: الجمهور علی أنه لا یقع النسخ إلا فی الأمر والنهی وزاد بعضهم الأخبار وأطلق و قید ها آخرون بالتی یراد بها

الأمر و النهي (٥)

''نسخ کہاں واقع ہوتا ہے؟ جمہور اہل علم کی رائے میں نسخ صرف امر و نہی میں واقع ہوتا ہے اور بعض نے اس پر اخبار (واقعہ کا تذکرہ) کا اضافہ کیا ہے۔ کچھ نے مطلق اخبار کہا ہے اور کچھ نے صرف اُن اخبار پر نسخ کا وقوع مانا ہے جن میں امر و نہی وارد ہوتے ہیں''۔

ملاحظہ ہو کہ جن آیات کے نسخ کا دعویٰ کیا جاتا ہے وہ اصلاً تو شریعت سے متعلق نہیں بلکہ منہاج سے متعلق ہیں جس کے متعلق اوپر جمہور کا مسلک درج کیا گیا کہ اِس میں نسخ واقع ہی نہیں ہوتا۔ علامہ کرخی درج ذیل عبارت پر غور کیا جانا چاہیے جس میں انہوں نے براہِ راست ہمارے پیشِ نظر موضوع سے بحث کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

الثالث ما أمر به لسبب ثم يزول السبب' كالأمر حين الضعف والقلة بالصبر و بالمغفرة للذين يرجون لقاء الله و نحوه من عدم إيجاب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر والجهاد و نحوها' ثم نسخه إيجاب ذلك وهذا ليس بنسخ في الحقيقة وإنما هو نَسٌّ' كما قال تعالىٰ : "أَوْنُنْسِهَا" فالْمُنسَأ هو الأمر بالقتال' إلى أن يقوى المسلمون ' و في حال الضعف يكون الحكم وجوب الصبر على الأذى(٦)

''تیسرا یہ کہ جو حکم دیا جائے کسی سبب کی وجہ سے' پھر وہ سبب نہ رہے' جیسا کہ مسلمانوں کو حکم دیا گیا تھا کفار کے ظلم پر صبر کرنے اور درگزر کرنے کا' اُن مسلمانوں کو جو اللہ سے ملاقات کی امید رکھتے ہیں۔ اور اسی طرح (مکی دور میں) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور جہاد کے واجب نہ ہونے کا معاملہ ہے۔ پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا وجوبِ جہاد سے اور یہ درحقیقت نسخ نہیں بلکہ یہ بھلا دینا ہے (بایں معنی کہ وقتی طور پر اس کے مطابق عمل نہیں کیا جائے گا) جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَوْنُنْسِهَا. تو وقتی طور جو بھلا دیا گیا وہ حکم قتال تھا یہاں تک کہ مسلمان قوت حاصل کر لیں' اور ضعف کی حالت میں واجب ہے کہ تکلیف پر صبر کیا جائے''۔

یہ مشاہدہ ہے کہ نسخ کے دعوے دار اکثر ائمہ سلف کی اُن تفسیری آراء سے دلیل پکڑتے ہیں جو آیاتِ قتال کے ذیل میں ان جلیل القدر ہستیوں نے ظاہر فرمائی ہیں۔ اس کے صحیح محل اور

مدعا کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ بعض تابعین نے نُنْسِهَا کی تفسیر نؤخر ها (یعنی مؤخر کرتے ہیں) سے کی ہے۔ (ابن کثیر' جلد اوّل' سورۃ البقرۃ' آیت ۱۰۶) جیسا کہ امام ابن جریر طبری سورۃ الحج کی آیت ۳۹ ﴿أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا﴾ (اجازت دی گئی اُن لوگوں کو جن سے قتال کیا جاتا ہے (قتال کرنے کی) بسبب اس کے کہ اُن پر ظلم ہوا) کے تحت لکھتے ہیں:

وقال ابن زيد كانوا قد أمروا بالصفح عن المشركين' فاسلم رجال ذومنعة فقالوا يا رسول الله لو أذن الله لنا لانتصرنا من هؤلاء الكلاب' فنزلت هذه الآية ثم نسخ ذلك بالجهاد(۷)

''ہمیں مشرکین سے عدم تعارض کا حکم دیا گیا تھا' مگر پھر مقابلہ کی طاقت رکھنے والے لوگ بھی اسلام لے آئے تو ہم نے عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر اللہ ہمیں اجازت دیتا تو ہم ان کتوں سے خوب بدلہ لیتے۔ تو اِس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اس نے عدم تعارض کے حکم کو منسوخ کر دیا''۔

امام سیوطیؒ نے جہاد وقتال سے متعلق اُن تمام آیات کو جنہیں بطورِ ناسخ پیش کیا جاتا ہے' اپنی کتاب 'الاتقان فی علوم القرآن' میں ناسخ و منسوخ کی بحث کے تحت جمع کر دیا ہے۔ تفصیل کے لیے اس کتاب سے رجوع کیا جائے۔

یہ اور اس جیسے دیگر مقامات جو کتبِ تفسیر میں پائے جاتے ہیں' سے متعلق اس وضاحت کی ضرورت ہے کہ یہاں نسخ کے معنی وہ نہیں جو نسخ حقیقی کے ہیں' یعنی ان رفع الحكم بدليل شرعي ولا يجوز امتثاله أبدًا (دلیل شرعی کی بنیاد پر کسی حکم کا ختم ہو جانا اور پھر اس پر عمل نہ کرنا) بلکہ حکم کے فی الحال معطل اور مؤخر ہونے کے ہیں۔ اور اسی رائے کو امام جلال الدین سیوطیؒ نے اختیار کیا ہے۔

اس بارے میں علامہ زرکشیؒ کا قولِ فیصل درج ذیل ہے:

وبهذا التحقيق تبين ضعفُ ما لهج به كثير من المفسرين في الآيات الامرة بالتخفيف إنها منسوخة بآية السيف' وليست كذلك بل هي من المنسأ بمعنى أن كل أمر ورد يجب امتثاله في وقت ما لعلّة توجب ذلك الحكم' ثم ينتقل بانتقال تلك العلّة الى آخر' وليس

بنسخ إنما النسخ الازالة حتى لا يجوز امتثاله ابدًا وإلى هذا أشار الشافعي في "الرسالة" إلى النهي عن ادّخار لحوم الأضاحي من أجل الدعفة' ثم ورد الإذن فيه فلم يجعله منسوخا بل من باب زوال الحكم لزوال علّته وهو سبحانه و تعالىٰ حكيم أنزل على نبيه ﷺ حين ضعفه ما يليق بتلك الحال رأفة ورحمة' إذ لو وجب لاؤرث حرجا و مشقة' فلما أعز الله الاسلام وأظهره ونصره أنزل عليه من الخطاب ما يكافي تلك الحالة من مطالبة الكفار بالاسلام أو بأداء الجزية ان كانوا أهل كتاب أو الاسلام أو القتل إن لم يكونوا أهل كتاب ويعود هذان الحكمان' اعني المسالمة عند الضعف والمسايفة عند القوة بعود سببهما' وليس حكم المسايفة ناسخًا لحكم المسالمة بل كلٌّ منهما يجب امتثاله في وقته[۸]

''اور اِس تحقیق سے وہ ضعف واضح ہوتا ہے جو بہت سے مفسرین کو لاحق ہوا اُن آیات کے بارے میں جن میں بہت زیادہ تخفیف کا حکم ہے (یعنی صبر واستقامت اور عفو ودرگزر کا حکم ہے) کہ یہ تمام آیات منسوخ ہیں آیۃ السیف سے۔ جب کہ معاملہ ایسا نہیں ہے' بلکہ اوّل الذکر آیات منساء (مؤخر کردہ) کی قبیل سے ہیں' اس معنی میں کہ جو بھی حکم وارد ہوا ہے اُس کا پورا کرنا واجب ہے ایک خاص وقت میں جو علت ہے اُس حکم کے وجوب کی۔ پھر وجوب منتقل ہو جاتا ہے دوسرے حکم کی طرف علت کے منتقل ہونے کی وجہ سے۔ اور یہ ہرگز نسخ نہیں ہے' بلکہ نسخ تو وہ ہے جس پر ہمیشہ کے لیے عمل کرنا جائز نہ رہا ہو۔ امام شافعیؒ نے اپنی کتاب ''الرسالہ'' میں اس نکتے کی طرف اشارہ کیا ہے کہ: حدیث میں جو قربانی کے گوشت کو ذخیرہ کرنے سے منع کیا گیا[۹] تو وہ آنے والے بدحال عرب بدوؤں کی ضرورت کے پیش نظر تھا۔ پھر ذخیرہ کرنے کی اجازت دے دی گئی تو یہ اجازت پہلے حکم کی ناسخ نہیں ہے' بلکہ اِس میں بھی وہی حکمت کارفرما ہے کہ علت کے زائل ہونے سے حکم بھی زائل ہو گیا۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ حکمت والے ہیں اِس لیے اپنے نبی ﷺ پر حالت ضعف میں وہ احکام نازل فرمائے جو اُس حال کے مطابق تھے' نرمی برتتے ہوئے رحمت کے ساتھ۔ اگر شروع ہی سے قتال کے احکام واجب کر دیے جاتے تو اِس سے شدید حرج اور مشقت لازم آتی۔ پھر جب اللہ نے اسلام کو عزت' نصرت اور غلبہ سے سرفراز فرمایا تو

آپ ﷺ پر وہ احکام نازل فرمائے جو اِس حال کے مطابق تھے۔ جیسے کفار سے اسلام کا مطالبہ (جزیرہ نمائے عرب کے کفار مراد ہیں) ورنہ اُن کا قتل کر دیا جانا' یا اگر اہل کتاب ہیں تو جزیہ کا مطالبہ۔ یہ دونوں حکم واپس آ سکتے ہیں سبب کے لوٹنے سے۔ یعنی امن (عدم جنگ) کا اختیار کرنا کمزوری کے وقت اور جنگ وقتال کا اختیار کرنا قوت وطاقت کے وقت۔ اور 'حکم المسایفة' (قتال وجنگ کا حکم) 'حکم المسالمة' (امن وعدم جنگ کے حکم) کے لیے ناسخ نہیں' بلکہ اُن میں سے ہر ایک پر علیحدہ علیحدہ اوقات میں عمل ہوگا''۔

پس ثابت ہوا کہ نسخ کا دعویٰ کی منہج یعنی منہج دعوت کے لیے کسی طور پر بھی ثابت نہیں۔ احوالِ واقعہ یعنی معروضی حالات کی نسبت سے معاملہ مقدم اور مؤخر کا ہے نہ کہ ناسخ ومنسوخ کا۔ نہ منہج دعوت منسوخ ہے اور نہ منہج جہاد (جیسا کہ اس کے برعکس اکثر متجددین کا زعمِ باطل ہے)۔ منہج جہاد وقتال بھی اپنی پوری شان وشوکت' جاہ وجلال' وقار وطمطراق کے ساتھ موجود ہے اور منہج جہاد وقتال کو ساقط یا منسوخ قرار دینے والا اور اِس پر معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرنے والا مغلوب ذہنیت کا حامل' حقائق کا منکر' اسلام کی تکمیلی شان سے ناواقف اور مارِ آستین ہے۔ مگر یہاں محل گفتگو یہ ہے کہ کون سا منہج کن حالات میں زیادہ مناسب للمطلوب' مؤثر' راجح' مقدم اور مقاصد شریعت کا زیادہ محافظ اور غلبہ واقامت دین کے لیے مبنی بر ہدف ہے۔ واللہ المُستعان! بقول شاعر:

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ۔۔۔ چشمہ آفتاب را چہ گناہ؟

اور:

منکراں چوں دیدۂ شرم وحیا برہم دہد ۔۔۔ تہمت آلودگی بر دامنِ مریم نہد!

ایک اشکال اور اُس کا حل

زیرِ نظر مضمون کا یہ بنیادی مقدمہ ہے کہ آج مسلمانوں میں کام کرنے والی تحریکاتِ اسلامیہ کے لیے رہنمائی کا اہم ترین ذریعہ نبی اکرم ﷺ کے مکی دور کا منہج ہے۔ ہمارے نزدیک یہی وہ بنیادی مقدمہ ہے جس کو تسلیم کر لینے سے اسلامی تحریکات جو غلبہ واقامت دین کے لیے مصروف کار ہیں' صحیح راہ پر گامزن رہیں گی اور منزل بہ منزل نفاذِ اسلام اور نظامِ خلافت سے

قریب تر ہوتی چلی جائیں گی اور پھر اسلامی ریاست کے قیام کے بعد اُس کے تحت اور امامِ شرعی کی اقتداء میں کفار کے خلاف قتال کو منظم کرنے کا مرحلہ بھی آئے گا (اِن شاء اللہ)۔

اس استدلال پر ایک اعتراض یہ وارد کیا جاتا ہے کہ اگر آج جدوجہد کے لیے مکی دور کو نظیر ٹھہرایا جائے تو پھر وہ حلت وحرمت کی تفصیلات جو شریعت میں تدریجی مراحل سے گزرنے کے بعد اپنی حتمی شکل کو پہنچ چکی ہیں' درہم برہم ہو جائیں گی' شراب وسؤر کی حلت وحرمت کا سوال اُٹھ کھڑا ہوگا۔ اِس اشکال کو ایک معترض کی زبانی سنیے! ہم عبارت نقل کیے دیتے ہیں:

''جب جہاد کے حتمی احکامات نازل کیے جا چکے تو اب کسی کو یہ حق نہیں کہ موجودہ دور کو مکی دور کے مثل قرار دے کر جہاد کو معطل کر دے' کیونکہ اِس طرح تو آج شراب وسود کی عدم حرمت کا سوال بھی کھڑا ہو جائے گا کہ مکی دور میں یہ بھی حرام نہ تھے۔ جبکہ ہمارے سامنے اللہ کا یہ حکم موجود ہے: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (المائدۃ:۳) ''آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لیے اسلام کے دین ہونے پر میں رضا مند ہو گیا'' الغرض ہمارے لیے شریعت کے حتمی احکام ہی حجت ہیں''۔

یہ اعتراض خلط مبحث کے سوا کچھ نہیں۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کسی نظیر یا مثال کا سو فیصد انطباق نہیں ہوتا' بلکہ کسی نسبت سے اُس کا اطلاق ہوتا ہے اور کسی پہلو سے نہیں بھی ہوتا۔ اُسوۂ حسنہ کو سامنے رکھتے ہوئے موجودہ حالات کی رعایت کے ساتھ عمل کرنا مقصود ہوتا ہے اور یہ عقل عام کی بات ہے جس کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا﴾ (المائدۃ:۴۸)

''تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے ایک شریعت دی اور ایک منہاج''۔

اِس آیت میں دو غور طلب الفاظ وارد ہوئے ہیں' ایک شریعت اور دوسرا منہاج۔ آیئے دیکھتے ہیں لغت میں اس کے معنی کیا ہیں' اِس آیت کی ماثور تفسیر کیا ہے اور سلف نے اِس سے کیا مراد لی ہے۔ اِس نقطے کی تفہیم سے اِن شاء اللہ محولہ بالا اشکال کا جواب بھی حاصل ہو جائے گا۔

لفظ ''الشِّرعة'' کے بارے میں علامہ آلوسی البغدادیؒ لکھتے ہیں:

'الشِّرعة' بكسر الشين' و قرأ يحيى بن ثابت بفتحها 'الشَّريعة' وهي في الأصل الطريق الظاهر الذي يوصل منه إلى الماء والمراد بها الدين' واستعمالها فيه لكونه سبب موصلا إلى ما هو سبب للحياة الأبدية كما أن الماء سبب للحياة الفانية أو لأنه طريق إلى العمل الذي يطهر العامل عن الأوساخ المعنوية كما أن الشريعة طريق إلى الماء الذي يطهر مستعمله عن الأوساخ الحسية(۱۰)

''الشِّرعة شین کی زیر کے ساتھ ہے اور یحییٰ بن ثابت کی قراءت میں زبر کے ساتھ ہے۔ اور اِس کے اصلی معنی ہیں ایسا صاف ظاہر راستہ جو پانی تک پہنچتا ہو اور اِس سے مراد دین ہے' اور اِس کا آیت میں استعمال ان معنی میں کیا گیا ہے کہ دین سبب ہے حیاتِ ابدی کا جیسا کہ پانی سبب ہے حیاتِ فانی کا۔ یا یہ کہ یہ وہ راستہ ہے جو عامل کو ایسے عمل کی طرف لے کر جاتا ہے جو اُسے معنوی آلائشوں سے پاک کرتا ہے' جیسا کہ شریعت اُس راستہ کو کہتے ہیں جو ایسے پانی کی طرف لے کر جاتا ہے کہ اُس کا استعمال کرنے والا حسی آلائشوں سے پاک ہو جاتا ہے''۔

اب لفظ ''منہاج'' کے متعلق تفصیلات ملاحظہ ہوں:

''مِنْهَاجًا'' اسم آلہ مفرد ہے اور اس کا مطلب ہے کھلا ہوا راستہ' کشادہ راستہ' روش۔ نہج' منہج اور منہاج تینوں ہم معنی ہیں۔ نَهْجٌ باب فَتَحَ سے مصدر ہے اور مراد ہے راستہ کا کشادہ اور صاف ہونا اور اُس پر چلنا' کپڑے کا پرانا ہونا' کپڑے کو پرانا کرنا۔ اِس معنی میں باب سَمِعَ اور کَرُمَ سے بھی مستعمل ہے۔ انهاجٌ ''لازم'' بن کر بھی آتا ہے اور ''متعدی'' بھی۔ یعنی اس کا مطلب کشادہ راستہ ہونا بھی ہے اور راستہ کشادہ کرنا بھی۔(۱۱)

ملاحظہ کیجیے کہ ائمہ سلف نے اس آیت کی تفسیر میں اِن الفاظ کے شرعی معنی کیا بیان کیے ہیں۔ امام ابن جریر طبریؒ نے اس آیت کے ذیل میں کئی روایات جمع کی ہیں جن کے طرق مختلف ہیں مگر معنی میں اشتراک ہے۔ ہم یہاں ایک روایت نقل کرتے ہیں:

حدثنا ابن بشار ' قال ثنا عبدالرحمن بن مهدى ' قال ثنا مسعر عن ابى اسحاق عن التميحى ' عن ابن عباس: لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا

قَالَ سُنَّةً وَ سَبِيْلًا(۱۲)

''.....حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ آیت ﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا﴾ سے مراد سنت (یعنی شرعی طریقہ وحکم) اور سبیل (یعنی اس شرعی حکم اور طریقے پر چلنے کا رستہ) ہے''۔

معلوم ہوا کہ شریعت اور منہاج میں فرق ہے۔ یہ دونوں الفاظ الگ الگ مفاہیم کی ادائیگی کے لیے وارد ہوئے ہیں مگر یہ فرق ایک ہی حقیقت یعنی دین کے دو پہلوؤں کے اظہار کے اعتبار سے ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اِس آیت کے ذیل میں کافی وشافی کلام فرمایا ہے جس سے مدعا واضح ہو جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

و(الحقيقة)حقيقة الدين' دين ربّ العالمين هي ما اتفق عليها أنبياء والمرسلون' وإن كان لكل منهم شرعة ومنهاج فالشرعة هي الشريعة قال الله تعالىٰ: ﴿ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴿۱۸﴾ اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ﴿۱۹﴾﴾ (الجاثية) .(والمنهاج) هو الطريق قال تعالىٰ: ﴿وَاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا﴿۱۶﴾ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا﴿۱۷﴾﴾ (الجنّ) فالشرعة بمنزلة الشريعة والمنهاج هو الطريق الذين سلك فيه والغاية المقصود هي حقيقة الدين وهي عبادة الله وحده لا شريك له وهي حقيقة دين الاسلام(۱۳)

''حقیقۃ سے مراد حقیقتِ دین ہے' یعنی اللہ ربّ العالمین کا دین۔ یہ وہ دین ہے جو تمام انبیاء اور رسولوں علیہم السلام کے درمیان متفق چلا آ رہا ہے باوجود اِس کے کہ اُن سب کے لیے شریعت اور منہاج علیحدہ علیحدہ تھے۔ پس 'الشرعۃ' سے مراد شریعت ہے' جیسا کہ فرمانِ باری ہے: ''پھر ہم نے رکھا آپ کو ایک شریعت پر اس کام میں تو اسی کی پیروی کیجیے' اور ہرگز نادان لوگوں کی خواہشات کی پیروی مت کیجیے۔ وہ کام نہ آئیں

گے آپ کے اللہ کے سامنے کچھ بھی' اور بے شک ظالم تو ایک دوسرے کے دوست ہیں ' اور اللہ دوست رکھتا ہے متقین کو''۔ اور 'منہاج' سے مراد ہے طریقہ کار' راستہ۔ جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے: ''اگر لوگ سیدھے طریقہ پر رہتے تو ہم اُنہیں پلاتے پانی بھر کر' تا کہ ہم اُن کو اس کے ذریعہ جانچیں۔ اور جو کوئی منہ موڑے اپنے ربّ کی یاد سے تو وہ اُس کو چلا دیتا ہے چڑھتے ہوئے عذاب میں''۔ پس شرعۃ سے مراد شریعت ہے اور منہاج سے مراد وہ طریقہ کار ہے جس پر چل کر غایت مقصود حاصل کیا جاتا ہے جو کہ حقیقت دین ہے اور یہ حقیقت اصلاً اللہ وحدہ لاشریک کی بندگی کا نام ہے''۔

اِسی طرح کئی اور مقامات پر امام ابن تیمیہؒ نے واضح کیا ہے کہ شریعت الگ ہے اور طریقہ کار الگ ہے۔ اور یہ تمام انبیاءؑ کے لیے مختلف رہی ہیں' مگر دین کی حقیقت جو کہ عبادتِ ربّ واحد ہے' وہ تمام انبیاء اور رُسلؑ کے مابین متفق رہی ہے۔ شریعت بحث کرتی ہے حلال و حرام سے' جائز و ناجائز سے' اشیاءِ استعمال کے مستحب و مکروہ ہونے سے' جبکہ منہاج اُس طریقہ کار' اُس حکمت عملی' اُس راستہ اور منہج کو کہتے ہیں جس پر کاربند ہو کر اللہ کی بندگی' اظہارِ دین اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کی جدوجہد کی جاتی ہے۔ یہاں پہنچ کر بات واضح ہو جاتی ہے کہ آج اقامت دین کے لیے رسول اللہ ﷺ کے دیے گئے دو مراحل منہج میں سے کسی کے اختیار کرنے سے شریعت کے معطل ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بے شک شریعت مکمل ہو چکی' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (مائدہ: ۳)

ترجمہ: آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا، تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین کے طور پر (ہمیشہ کے لئے) پسند کر لیا۔

یعنی آج منہج نبویؐ کے مرحلۂ دعوت پر عمل کرنے کے باوجود شریعت کے حلال و حرام پر کوئی فرق واقع نہیں ہوگا۔ آج ہمارے لیے شریعت کے وہی احکام حجت ہیں جو تدریجی مراحل سے گزرنے کے بعد اپنی تکمیل کو پہنچ چکے ہیں۔ یہ بالکل دوسری بات ہے کہ آج شریعت کے بہت سے احکام پر ہمارے ہاں عمل نہیں۔ خاص طور پر شریعت اسلامی کا وہ حصہ جو ریاست سے متعلق ہے۔ جیسے نفاذِ حدود' نظامِ صلاۃ' نظامِ زکوٰۃ' کفار کے خلاف شرعی قتال یعنی جہاد فی سبیل اللہ کا

قیامِ امر بالمعروف ونہی عن المنکر بالید، حرمتِ سود، کفار سے جزیہ کا مطالبہ وغیرہ۔ کوئی مانے یا نہ مانے تلخ حقیقت یہ ہے کہ آج ہم اپنے ربّ کے ان احکام پر اجتماعی طور پر عمل کرنے سے عاجز ہیں۔ اس کا تدارک صرف اسی طرح ممکن ہے کہ ہم اس فرمانِ حقیقت بیان کی روشنی میں اسلامی ریاست کے قیام کی جدو جہد کریں۔ جیسا کہ حضرت امام مالکؒ نے فرمایا تھا کہ:

لَن یصلح آخر هذه الأمة الا بما صلح به أولها

ترجمہ: اس امت کے آخری حصے کی اصلاح ممکن نہیں مگر اُسی طرح جس طرح پہلے حصے کی اصلاح ہوئی تھی۔

اور منہج انقلابِ نبویؐ کی رو سے جدوجہد کی ترتیب میں مکی دَور مقدم ہے اور اسی کا ثمر ریاست مدینہ کے نام سے معروف ہے۔

نصوص سے غلط استدلال

یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ آج اصل اعتبار قرآن مجید سے استنباطِ احکام کے وقت عمومِ لفظی کا ہوگا نہ کہ سبب خصوصی کا۔ **العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب**۔ مگر یہ قاعدہ احکامِ شریعت سے متعلق ہے نہ کہ استخراجِ منہج سے۔ استخراجِ منہج میں تو اصل اعتبار ترتیبِ نزولی کا ہے اور یہ بات اتنی سامنے کی ہے کہ اس کے لیے دلائل دینے کی ضرورت نہیں۔

آج ایک خاص طرح کے لٹریچر میں جہاں بہت سے اصولی اور علمی غلط مبحث پائے جاتے ہیں اُن میں سب سے خطرناک اور کثرت سے پائی جانے والی خامی نصوص کا بے موقع انطباق ہے۔ یعنی آیاتِ قرآنی، احادیث نبویؐ، فتاویٰ واقوالِ سلف کو سیاق وسباق، ظروف و احوال سے کاٹ کر یکسر بے محل پیش کیا جاتا ہے، جو کہ نتیجہ ہے اُس حد سے بڑھی ہوئی جذباتیت، انتقامی جذبات اور عالم کفر کی طرف سے ڈھائے جانے والے مسلسل ظلم و جبر کا، جس کے نتیجہ میں ہمارے یہ بھائی موجودہ پستی کی کیفیت سے باہر آنے اور غلبۂ اسلام کے لیے منہج وطریقہ کار پر سنجیدہ غور وفکر کے لیے تیار ہی نہیں۔ اور زبانِ حال سے کہہ رہے ہوتے ہیں: ع

مفاہمت نہ سکھا جبر ناروا سے مجھے　　میں سربکف ہوں لڑا دے کسی بلا سے مجھے!

اور نہ

نصیحتم چہ کنم ناصحا چہ می دانی ۔ کہ من نہ معتقد مردِ عافیت جویم

مگر یہ الزام درست نہیں' کیونکہ ہم مفاہمت یا عافیت جوئی کی تعلیم نہیں دے رہے' بلکہ احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کی نبوی حکمتِ عملی کی طرف توجہ مبذول کروانا چاہتے ہیں۔

مفہوم اور مرادِ متکلم کے اخذ کرنے میں سیاق و سباق اور احوال و ظروف کی حد درجہ اہمیت ہے۔ اس بات کا اندازہ ہم ایک سادہ سی مثال سے لگا سکتے ہیں۔ ایک شخص کہتا ہے ''پانی لاؤ''۔ اب اگر وہ شخص یہ جملہ کھانے کی میز پر ادا کرے گا تو آپ اُس کو پانی کا ایک گلاس لا دیں گے۔ اگر یہی جملہ غسل خانے سے کوئی پکار کر کہے تو آپ بالٹی بھر پانی کا اہتمام کریں گے اور اگر یہی جملہ کوئی وضو خانے میں کہے تو آپ اُسے پانی کا ایک ظرف فراہم کر دیں گے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ جملہ ایک ہی ہے مگر محل و مقام کے بدلنے سے تعمیل حکم میں کتنا فرق واقع ہوتا ہے! اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ سیاق و سباق اور احوال و ظروف اور مزاج و لہجے کا متکلم کی مراد کو سمجھنے میں کتنا حصہ ہے۔

سیاق و سباق سے کاٹ کر نصوص کو پیش کرنے کے حوالے سے ہم ایک روایت کا تذکرہ کرتے ہیں۔ عصر حاضر کے جہادی لٹریچر میں آپ کو بخاری و مسلم سے مروی یہ حدیث نبویؐ جا بجا ملے گی:

((اَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوْفِ)) (صحيح مسلم)

''جنت تلواروں کے سائے تلے ہے''۔

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک روایت کا جز ہے نہ کہ مکمل حدیث۔ اب آپ مکمل حدیث نبویؐ کا مطالعہ فرمائیں اور اندازہ لگائیں کہ سیاق و سباق کے ساتھ اِس حدیث کا کیا مفہوم ہے اور سیاق و سباق سے کاٹنے کے بعد اس کے معنی میں کیا فرق واقع ہوتا ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

((يَا اَيُّهَا النَّاسُ لَا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ وَاسْاَلُوا اللّٰهَ الْعَافِيَةَ' فَاِذَا لَقِيْتُمُوْهُمْ فَاصْبِرُوْا وَاعْلَمُوْا اَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوْفِ)) (١٤)

''اے لوگو! دشمن سے لڑنے کی آرزو نہ کرو اور اللہ سے عافیت مانگو۔ پس جب لڑنے کی نوبت آ ہی جائے تو ڈٹ جاؤ (بھاگو نہیں) اور یہ جان رکھو کہ بہشت تلواروں کے

سائے تلے ہے۔(یعنی شہید ہوتے ہی داخل جنت ہوگے)''۔

اِس طرح کے لٹریچر کا ایک اور خاصہ یہ ہے کہ اِس میں ائمہ سلف کے فتاویٰ کو اُن کے پورے استدلال سے کاٹ کر الگ اور بے محل پیش کیا جاتا ہے' بغیر اِس پر غور کیے کہ صاحب فتویٰ نے یہ فتویٰ کن حالات میں اور کن امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے دیا تھا۔ اِس لیے ضروری ہے کہ فتوے کی شرعی حیثیت اور اُن عوامل کو دیکھ لیا جائے جن کا ایک مفتی فتویٰ دیتے وقت لحاظ رکھتا ہے۔ اِس سے یہ بات صاف واضح ہوجاتی ہے کہ اسلاف میں سے کسی کے فتوے سے منہج کے لیے دلیل پکڑنا درست نہیں' کیونکہ منہج کا تعلق اپنے زمانے کے خاص حالات سے ہوتا ہے۔ منہج کے تعین میں فیصلہ کن عامل کی حیثیت وقت کے عرف وعادت اور مصالح مرسلہ کو حاصل ہے۔ اسی لیے اہل علم کے ہاں مشہور ہے کہ: من لم یعرف اهل زمانه فهو جاهلٌ. کہ ''جو شخص اہل زمانہ کو نہیں جانتا وہ جاہل ہے''۔ اور عالم کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ: ان یکون بصیرًا بزمانه کہ وہ اپنے زمانے کی بصیرت رکھتا ہو۔ علامہ شامی کا شعر ہے:

والعرف فی الشرع له اعتبار لذا علیه الحکم قد یدار

''عرف کا شریعت میں اعتبار ہے' اس لیے کہ اِس پر حکم کا مدار رکھا جاتا ہے''۔

دکتور عبدالکریم زیدان (استاذ الفقہ المقارن' جامعہ صنعاء) نے اپنی شاہکار تالیف ''اصول الدعوۃ'' میں باب نظام الافتاء کے تحت اِس موضوع پر عمدہ بحث کی ہے' جس کا خلاصہ یہ ہے کہ فتوے کا خاص تعلق احوال' امکنۃ' ازمنۃ' ظروف اور مستفتی کے حالات سے ہوتا ہے اور یہ فتوے اِن امور کے بدلنے سے بدلتا رہتا ہے۔ یعنی والفتویٰ قد تتغیر بتغیر المکان والزمان[۱۵]۔ قواعد فقہ کی کتب میں یہ قاعدہ کلیہ مسلمہ حیثیت کا حامل ہے کہ:

والحکم یدور مع العلة وجودًا و عدمًا. ''حکم کا مدار وجوداً اور عدماً علت پر رہے گا''۔

علامہ ابن عابدین شامی ''عقود رسم المفتی'' میں رقم طراز ہیں:

إن کثیرًا من الاحکام التی نص علیه المجتهد صاحب المذهب بناء علی ما کان فی عرفه وزمانه قد تغیرت بتغیر الازمان بسبب فساد اهل الزمان أو عموم الضرورة کما قد مناه من افتاء المتأخرین[۱۶]

''یقیناً بہت سے احکام جن کی تصریح صاحب مذہب مجتہد نے اپنے عرف اور اپنے زمانہ

کے احوال پر بنیاد رکھتے ہوئے کی تھی وہ زمانہ کے بدلنے کی وجہ سے بدل جاتے ہیں اور یہ تبدیلی یا تو لوگوں میں بگاڑ پیدا ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے یا عمومی ضرورت کا لحاظ پیش نظر ہوتا ہے' جیسا کہ ہم متاخرین کے فتاویٰ کے ذیل میں پہلے بیان کر چکے ہیں''۔

ان تصریحات سے جہاں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ خاص حالات میں دیے گئے فتاویٰ سے منہج کے لیے آج استدلال کرنا درست نہیں' وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آج مسلم ممالک میں ہر جگہ ایک ہی منہج کو اختیار کرنا بھی ضروری نہیں۔ جیسا کہ بعض ممالک براہِ راست کافر اور غیر ملکی افواج سے اپنی حریت و آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں تو ظاہر ہے کہ وہاں فوری ضرورت کے پیش نظر مرحلۂ دعوت کا التزام کارگر نہیں ہے۔

آخر میں ہم مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی وہ نصیحت نقل کرتے ہیں جو آپ نے بزبانِ عربی' عرب ممالک کے نوجوانوں کو حج کے موقع پر مکہ معظمہ میں ۱۳۸۲ھ میں فرمائی تھی۔ اس نصیحت کے ایک ایک حرف کو بغور پڑھنے کی ضرورت ہے۔ جب مولانا مرحوم نے یہ تقریر فرمائی تھی تو اُس وقت سے زیادہ شاید آج مسلمانوں کو اس رہنمائی کی ضرورت ہے۔ ہم اِس تقریر کا ایک جزو نقل کیے دیتے ہیں:

''اِس سلسلے میں اسلامی تحریک کے کارکنوں کو میری آخری نصیحت یہ ہے کہ انہیں خفیہ تحریکیں چلانے اور اسلحہ کے ذریعہ سے انقلاب برپا کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے[۱۷]۔ یہ بھی دراصل بے صبری اور جلد بازی کی ایک صورت ہے اور نتائج کے اعتبار سے دوسری صورتوں کی بہ نسبت زیادہ خراب ہے۔ ایک صحیح انقلاب ہمیشہ عوامی تحریک ہی کے ذریعہ برپا ہوتا ہے۔ کھلے بندوں عام دعوت پھیلایئے' بڑے پیمانے پر اذہان اور افکار کی اصلاح کیجیے' لوگوں کے خیالات بدلیے' اخلاق کے ہتھیاروں سے دلوں کو مسخر کیجیے۔ اِس طرح بتدریج جو انقلاب برپا ہوگا وہ ایسا پائیدار اور مستحکم ہوگا جسے مخالف طاقتوں کے ہوائی طوفان محو نہ کر سکیں گے۔ جلد بازی سے کام لے کر مصنوعی طریقوں سے اگر کوئی انقلاب رونما ہو بھی جائے تو جس راستے سے وہ آئے گا اسی راستے سے وہ مٹایا بھی جا سکے گا۔''[۱۸]

و آخر دعوانا ان الحمدللّٰہ رب العالمین و صلی اللّٰہ علی سیدنا محمد و آلہ و صحبہ اجمعین

حوالہ جات

۱) مناهل الفرقان فی علوم القرآن للشیخ محمد عبدالعظیم الزرقانی ۱۸۸/۱۔

۲) مناهل الفرقان ۲۵/۱۔

۳) احمد۲۱۶/۱ الطبری ۶۴۳/۱۸، ۶۴۳/۶۱۸، ۶۴۴ والدر المنثور ۵۸/۶۔

٤) الطبری ۳۲٤/۱۸۔ ابن کثیر ۵۹٤۔

٥) البرهان فی علوم القرآن ۳۳/۲۔

٦) البرهان فی علوم القرآن ٤۲/۲۔

۷) الطبری ۳۲٤/۱۸۔

۸) البرهان فی علوم القرآن ۲/ ٤۲، ٤۳۔

۹) حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دیہاتی غرباء کی وجہ سے یہ حکم دیا تھا کہ : ((اِدَّخِرُوْا ثَلَاثًا ثُمَّ تَصَدَّقُوْا بِمَا بَقِیَ)) ''تین دن کا گوشت ذخیرہ کرلو اور باقی گوشت صدقہ کردو''۔ اس کے بعد لوگوں نے آ کر عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! لوگوں نے تو اپنی قربانی سے مشکیزے بنالیے ہیں اور اُن میں چربی کی چکناہٹ مل رہے ہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا پھر کیا ہوا؟ اس پر لوگوں نے آپ ﷺ کا گزشتہ حکم بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا: ((اِنَّمَا نَهَیْتُکُمْ مِنْ اَجَلِ الدَّغْفَةِ فَکُلُوْا وَادَّخِرُوْا وَتَصَدَّقُوْا)) ''میں نے تو صرف اُن آنے والے غرباء کی سہولت کی وجہ سے تمہیں منع کیا تھا۔ اب تم کھاؤ، ذخیرہ کرو اور صدقہ کرو''۔ مسلم:۱۹۸۱۔ واحمد:۵۱/۶۔ وابوداؤد۲۸/۲۔ والنسائی ۲۳۵/۸۔

۱۰) تفسیر روح المعانی للعلامة شهاب الدین آلوسی البغدادی ص۱۵۳ ج ٦ آیت ٤۸ سورة المائدة۔

۱۱) تاج العروس، لغات القرآن جلد پنجم ص ٤٦٤۔

۱۲) رقم : ۹٤٦۷ص ۳۳٦المجلد الرابع جامع البیان عن تاویل آی القرآن للام ابن حریر طبریؒ۔

۱۳) مجموع الفتاوی للشیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ۲۱۸/۱۱، ۲۱۹۔

۱٤) صحیح البخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب کان النبیﷺ اذا لم یقاتل اول النهار آخر القتال۔ وصحیح مسلم، کتاب الجهاد والسیر، باب کراهة تمنی لقاء العدو والامر بالصبر عند اللقاء۔

۱۵) اصول الدعوۃ لدکتور عبدالکریم زیدان' ص۱۲۹'۱۸۰ بیروت۔

۱۶) عقود رسم المفتی لابن عابدین الشامی ص۳۸۔

۱۷) ظاہر ہے یہ ہدایت مولانا نے آج کے خاص حالات کے حوالے سے فرمائی ہے ورنہ اسلام میں مسلح کارروائی چند شرائط کے ساتھ کوئی ممنوع شے نہیں۔ (قرنی)

۱۸) ماخوذ از تفہیمات حصہ سوم، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ "دُنیائے اسلام میں اسلامی تحریکات کے لیے طریق کار۔"

انجمن خدام القرآن (قرآن اکیڈمی) سندھ کراچی کی پیشکش

ڈاکٹر اسرار احمدؒ اور تنظیمِ اسلامی کے تعارف پر مبنی ایک جامع دستاویز!!

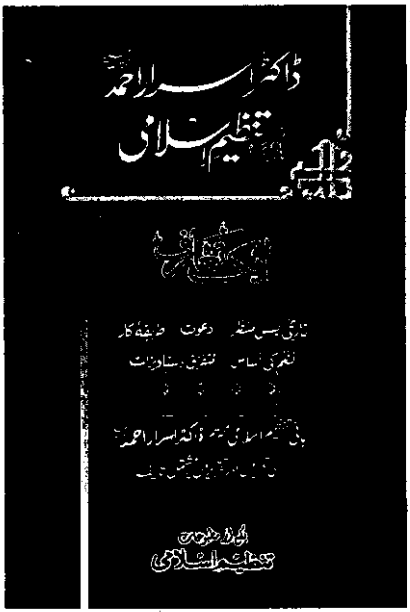

- عمدہ طباعت
- حوالہ جات سے مزین
- مضبوط جلد
- دیدہ زیب ٹائٹل
- امپورٹڈ پیپر

کل صفحات: 410

اشاعتِ خاص: 400
اشاعتِ عام: 200

اشاعتِ خاص: 200 | اشاعتِ عام: 100

تنظیم اسلامی اور انجمن خدام القرآن کے مکتبہ جات سے طلب کریں !!

مکتبہ انجمن خدام القرآن (قرآن اکیڈمی) سندھ کراچی فون: 021-35340022-23

www.quranacademy.com

داعی رجوع الی القرآن بانی تنظیم اسلامی

محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن پر مشتمل

بیانُ القرآن

مکمل ترجمہ و مختصر تفسیر

حصہ اول: سورۃ الفاتحہ و سورۃ البقرۃ مع تعارف قرآن
صفحات: 360، قیمت 450 روپے

حصہ دوم: سورۃ آل عمران، سورۃ النساء اور سورۃ المائدہ
صفحات: 321، قیمت 400 روپے

حصہ سوم: سورۃ الانعام تا سورۃ التوبہ
صفحات: 331 قیمت 400 روپے

حصہ چہارم: سورۃ یونس تا سورۃ الکہف
صفحات: 394 قیمت 450 روپے

دیدہ زیب ٹائٹل | امپورٹڈ پیپر | عمدہ طباعت | حوالہ جات سے مزین

شائع کردہ: انجمن خدام القرآن خیبر پختونخوا پشاور

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

انجمن خدام القرآن

کے قیام کا مقصد

منبع ایمان ــــ اور ــــ سرچشمہ یقین

قرآنِ حکیم

کے علم و حکمت کی

وسیع پیمانے ــــ اور ــــ اعلیٰ علمی سطح

پر تشہیر و اشاعت ہے

تاکہ اُمتِ مسلمہ کے فہیم عناصر میں **تجدیدِ ایمان** کی ایک عمومی تحریک برپا ہو جائے

اور اس طرح

اسلام کی **نشأۃِ ثانیہ** ــ اور ــ **غلبہ دینِ حق** کے دورِ ثانی

کی راہ ہموار ہو سکے

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ